

# محلات



مجلس التحقيق الإسلامي كاونتون لاہور

مذریٰ اعلیٰ  
حافظ عبدالرحمن مدنی

# ماہنامہ محدث لاہور

## ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی      مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے      زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے      بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042      موبائل: 4600861 - 0305

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com      www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

# ماہنامہ مہمات

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

# محدث

ماہنامہ

لاہور

جلد ۸	شعبان، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ	عدد ۹۰۸
-------	----------------------------	---------

## فہرست مضامین

- ۱- منکر و نظر ..... اسلام میں حاکمیت اور جمہوریت کا تصور ..... ادارہ ۲
- ۲- التفسیر والتبصیر ..... سورۃ البقرۃ (۲۳) ..... مولانا عزیز زبیدی ۱۱
- ۳- دلائق ..... شادی پر پیسوں کے لیے جو چھپانا یا راستہ روکنا .... ۲۲
- ۴- تعزیراتِ اسلام ..... اسلام کا قانونِ سمرقہ (۴) ..... مولانا برق التوحیدی ۲۵
- ۵- مقالات ..... ہجری تقویم (خصوصیات) ... مولانا عبد الرحمان کیدانی ۳۶
- ۶- " ..... یہود کا مذہبی لٹریچر ..... پروفیسر محمد سلیمان اظہر ۴۲
- ۷- فکرِ آخرت ..... اجل ہے گھات میں تیری تو محو غفلت ہے ... مولانا عبد الرحمان عابز ۵۶
- ۸- تاریخِ دیر ..... حضرت ام عبد خزامیہ ..... جناب طالب ہاشمی ۶۰
- ۹- تعارف و تبصرہ ..... تطہیرِ بانیل، حضرت مسیحؑ کے آئینے میں، قادیانی است ۶۵
- کلمہ طیبہ کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ، ۱۵ ذی قعدہ پارک
- رودادِ ابتلا، نعل و گہر، ذراتِ درخشانی، عربی خط و کتابت کورس
- ۱۰- شعروادب ... آثار بھی نہ رہیں گے تیرے مزار کے ... عبد الرحمان عابز مالیک کوٹلوی ۳۵

بسم الله الرحمن الرحيم

مس

فکر و نظر

# اسلام میں حاکمیت اور جمہوریت کا تصور — ایک مذاکرہ

مدیر اعلیٰ کی تقریر — جون ۱۹۷۸ء کو پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں کی گئی۔ موجودہ صورت میں یہ تقریر نوٹس سے ترتیب دی گئی ہے اس لیے الفاظ کی کمی بیشی اور بعض تفصیلات کی درجہ کاری مرتب پر ہے۔  
(ختم بشیر)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد

ما صاحب صدر و معزز حاضرین! اس بات سے تو ہم سب بخوبی واقف ہیں کہ پاکستان کی بنیاد مکملہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ نیز یہ حقیقت ہے کہ کسی فلاحی ریاست کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ وہ کس حد تک فرد کے بنیادی حقوق جان، مال اور عزت کے تحفظ اور معاشرے میں تازہ کاری، عدل و مساوات، ضمیر کی آزادی، ترقی کے برابر مواقع اور قدرتی وسائل سے یکساں استفادے کی پاداش کرتی ہے۔ گویا ریاست دیاست کے معاملے میں کسی تصور کی بالاتر کی انحصار زیادہ سے زیادہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح پر ہے چنانچہ اسی سلسلے میں اب تک کی انسانی فکر و نظر کی معراج ”نظریہ جمہوریت“ کو سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ آج خاک و خون کی ہولی سے بھی جو انقلابات آتے ہیں ان کے قائد سب سے پہلا دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ ہمارا مطلب نظر صرف جمہوریت کی بحالی ہے لہذا ہمیں پہلے اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ متذکرہ بالا مقدار کی ضمانت اس منوعہ جمہوریت نے کیاں تک جہیا کی ہے اور کیا ہم اس انسانی دریافت پر مطمئن ہو کہ ہمہ تن جمہوریت کی استواری کے لیے وقت ہو جائیں یا انسانی فکر و نظر کے مسلسل ارتقاء پر توجہ دین، بین ملت و ملت کے پیش نظر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ کس طرح نئی نوع انسان کے مسائل حل کرنے میں انسانی سوچ و دراندگی کا شکار ہوئی ہے اور اس بات پر مجبور ہو رہی ہے کہ عقل و تجربہ سے بالاتر رہتائی ”وحی الہی“ کے سامنے گھٹنے ٹیک دے بلکہ اس وقت جمہوریت کے ہی ایک بہت بڑے علمبردار (BURNS) کے اعتراف پر اکتفا کرتا ہوں۔



NO ONE DENIES THAT EXISTING REPRESENTATIVE ASSEMBLIES ARE DEFECTIVE, BUT IF AN AUTOMOBILE DOES NOT WORK WELL IT IS FOOLISH TO GO BACK TO FORM CART, HOWEVER ROMANTIC.

گو یا جمہوریت کے دعویدار بھی اس بات کا یہ لانا اعتراف کرتے ہیں کہ جمہوریت غامیوں سے بڑھ چکی ہے اور مسئلہ اندار کے حصول میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے لیکن وہ صرف اس لیے اس کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں کہ ان کی سوچ یہاں آ کر رک گئی ہے اور ان کے سامنے کوئی ایسا نظام نہیں جو کامیابی سے فرد و اجتماع کو معراج حقیقی سے پہنچا کر رکھے۔

میں اس شکست خوردہ ذہنیت پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کے پاس خالق کائنات (رب العالمین) کا دیا ہوا ایک مستقل اور مکمل طرز زندگی اور نظام حیات موجود ہے جو اس باب میں بھی سب غامیوں سے نہ صرف پاک ہے بلکہ اتنا ترقی یافتہ بھی ہے کہ جہاں انسانی عقل و دانش کی منزل ختم ہوتی ہے وہاں سے بہت آگے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہ دین اسلام ہے جس کے بارے میں خود اس کا بخشنے والا آج سے چودہ صدیاں قبل یہ اعلان کر رہا ہے۔

ایوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (المائدہ: ۳)

لیکن مجھے افسوس ہے کہ آج کا مسلمان اپنی غلامانہ ذہنیت کے باوصف غیروں کا اتنا دست نگر ہو گیا ہے کہ اپنے گھر کے لعل و جواہر سے منہ موڑ کر دوسروں کے خذف و بزدلی کو لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس لیے میں بالخصوص مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے گھر کی دولت سے فائدہ اٹھائیے۔ اپنے خزانوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے غیروں کے ٹکوں کو اپنا بامشکی کوشش ترک کر دیجیے۔ اسلام مکمل مضابطہ حیات ہے اس کے ساتھ جمہوریت یا اشتراکیت کا پیوند نہ

ملے لیکن کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا کہ موجودہ نامزدہ اسمبلیاں غامیوں والی ہیں لیکن یہ محققانہ بات ہر گز اگر ایک خود کار گاڑی اچھا کام نہ کرے تو ہم چھکڑے کو اختیار کر لیں خواہ وہ کیسا ہی دلاویز کیوں نہ ہو۔

آج میں تے تمہاری زندگی کا لائحہ عمل مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے لیے دین پسند کیا ہے۔

لگائیے۔ کوٹے کو مور کے پردگانے سے کو امور نہیں بن سکتا، دونوں الگ الگ جنسیں ہیں۔

اپنی ملت پر تیس اقوام مغرب سے ذکر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ماستھی عواماً غیر اسلامی افکار سے اسلام کو پیوند لگانے کے لیے لفظ اجتہاد کا بڑا سہارا لیا جاتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس مغالطہ کا ازالہ شروع میں کر دوں۔ اجتہاد کا مادہ جہد ہے جس طرح کہ جہاد کا مادہ بھی جہد ہے اجتہاد و کتاب و سنت سے خارج کوئی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح کتاب و سنت کی عملاً ترویج کے لیے کشمکش کو جہاد کہتے ہیں اسی طرح کتاب و سنت سے استفادے اور افادے کے لیے ذہنی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ اجتہاد کے معنی قطعاً ایسے نہیں ہیں کہ اسلام میں تغیر و تبدل کے لیے اس کا سہارا لیا جائے۔ اسلام ابدی دین ہے یہ مکمل ہے کہ زمان و مکالم کے لیے کئی رہنمائی ہے اس میں ذہنی کوشش کی ضرورت اس غرض سے ہوتی ہے کہ دیکھا جائے فلاں مسئلہ میں کون سی ہدایت لاگو ہوتی ہے اور درپیش قضیہ میں اسلام کیا فیصلہ دیتا ہے؟ مثلاً اسلام میں چلی بڑی شے ہے لیکن اسلامی تعلیمات میں سے ہی بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ صحیح بخاری میں ہے کہ فاطمہ نامی ایک عورت نے آپ سے مشورہ پوچھا کہ تین آدمی مجھے نکاح کا پیغام دیتے ہیں معاویہ، ابوجہم اور اسامہ۔ آپ نے فرمایا معاویہ صلہ کوک (کنگال آدمی) ہے۔ اور ابوجہم کندھے سے لاکھٹی نیچے نہیں رکھتا یعنی سخت گیر ہے البتہ اسامہ اچھا ہے۔ محمد بن نے اپنا عظیم الشان علم اسماء الرجال (جس میں راویوں کے حالات سے بحث ہوتی ہے) کی آپ کے تذکرہ بالا شوبہ پر بنیاد رکھی ہے۔ انھوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا ہے کہ علم اسماء الرجال میں راویوں کے عیوب بیان کرنا بھی راویوں کی کرداریوں کے پیش نظر لغزشوں سے بچانے کے لیے آپ کا تبصرہ رہنما اصول ہے جو یہاں لاگو ہوتا ہے۔ غیبت والا حکم یہاں نہیں لگتا۔ البتہ ایک چیز واضح کر دوں کہ شریعت کا مقصود خیر و شر اور حق و باطل کی نشاندہی ہے۔ تدبیری امور میں کوئی بندش نہیں ہے۔ ہر زمان و مکان میں اسلام کے قابل عمل اور یکجہاد ہونے کے یہی معنی ہیں اور یہ چیز زمانہ کی تبدیلی سے بھی متعلق نہیں ہے ایک ہی زمانہ کے مختلف حالات میں مسائل میں احکام کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور پھر ہر جگہ بھی

۱۰ DEWEY اپنی تصنیف ETHICS OF DEMOCRACY میں لکھتا ہے۔

یہ کہنا کہ جمہوریت ایک خاص طرز حکومت ہے بالکل اسی طرح ہے جیسے یہ کہا جائے کہ مکان صرف اینٹوں کا مجموعہ ہے یا گرجا ایک ایسی عمارت ہے جو کلس اور منبر پر مشتمل ہو (صرف اینٹوں کی وجہ سے ہر عمارت کو ایک نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ مسجد اور گرجا میں بہت فرق ہے۔ برت)

ایک سی نہیں ہوتی۔ آپ کے زمانہ میں ہی روم و فارس کے حالات جہاز سے مختلف تھے لیکن نبی اکرمؐ نے خود ان کے لیے ہدایات میں تغیر و تبدل نہ کیا۔ آپ صرف عرب کے لیے رسول نہ تھے عرب و عجم کے لیے بلکہ جن و انس کے لیے تھے بلکہ آپ تو رحمتہ للعالمین ہیں۔ ﴿۲۰﴾

لہذا تدریجی امور میں آپ نے خود انسانوں کو اپنے تجربات سے بھرپور استفادے کی ترغیب دی ہے۔ تجربات کی آزادی بلکہ غیروں کی تدبیروں اور تجربات میں سے بھی کوئی حکمت کی بات ہو تو اسے اختیار کرنے سے منع نہیں کیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس تجربہ اور ترقی کے نام پر بغیر دشر کی بنیادی تعبیر بھی غیر مسلموں سے لی جائے اسی سے مجھے اختلاف ہے۔ عبادات کے علاوہ معاملات میں جس میں شبہ ریاست و ریاست بھی شامل ہے شریعت کی کوئی متعین شکل کی پابندی لازم نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنیادی اصول و ضوابط سے بھی آزادی مل گئی ہے۔

حالانکہ بغیر دشر، حتی و باطل، عدل و ظلم کا بہت بڑا تعلق ریاست سے بھی ہے۔ اس بارے میں اسلام کی خاموشی کے معنی تو یہ ہوں گے کہ دین ناقص ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حتی و باطل اور ظلم و عدل کے بارے میں بنیادی اصول و ضوابط جنھیں آج کل دستور و قانون کا نام دیا جاتا ہے اسلام کی نگاہ میں وہ صرف کتاب و سنت ہیں جو ابھی ہیں بطرح آج کل دستور و قانون کے تابع قواعد و ضوابط (RULES AND REGULATIONS) کی اجازت ہر ادارہ کو ہوتی ہے اسی طرح انسانوں کو صرف قواعد و ضوابط (جسے ذیلی قانون سازی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے) کی اجازت ہے اور قرآن کریم کے ارشاد و امروہم شوریٰ بینہم راشوریٰ: ۲۸ کا میدان یہی ذیلی قانون سازی ہے۔

میں اسے ذیلی اس لیے کہتا ہوں کہ یہ کتاب و سنت کے تابع ہوگی اس کا تعلق زیادہ تر تدبیر و انتظام سے ہوگا اور تقاضے بدلنے سے اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ مسلمانوں کے معاملات کے امین باہمی غور و فکر سے RULES AND REGULATIONS وضع کرتے رہیں جو درپیش ضروریات کے مطابق ہنگامی اور وقتی ہوں گے۔ قدیم مجتہدین امت کے اجتہادات میں بھی یہی چیز نمایاں ہے۔ جسے ایک کوتاہ فہم آدمی قانونی اختلاف قرار دیتا ہے حالانکہ اس کا بیشتر حصہ ہر مسئلہ میں درپیش اس پہلو سے ہوتا ہے جسے مجتہد اجمیت دیتے ہوئے ایک حکم (فتویٰ) قرار دیتا ہے تو دوسرا ایک اور پہلو کے پیش نظر الگ حکم لگا تا ہے۔ ہمارے ہاں کی مشاورتی کونسلیں یا اسمبلیاں یہ کلام تو کر

ملہ مسلمانوں کے کام باہمی مشورت سے انجام پاتے ہیں مگر اس سلسلہ میں رسول کا ارشاد انتہی اہم ہالگو نیا کم یعنی تم دنیاوی امور میں زیاد



سکتی ہیں لیکن انھیں قانون سازی کی اجازت نہیں ہے۔

اسلام میں حاکمیت کے تصور کے بارے میں بھی کچھ غرض کر دوں کہ اسلام میں حاکمیت کا تصور جمہوریت سے علیحدہ ہے یعنی اسلام میں جمہور کی حاکمیت کے بجائے اللہ احکم المحاکمین کی حاکمیت تسلیم کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَالْبَیْهَ الْقَلَمُ (البدائی)** اللہ ہی حاکم ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔

نیز عموماً حاکمیت کے معنی اقتدار اعلیٰ کے لیے جاتے ہیں جس کی مرضی قانون ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کی رو سے حاکمیت سے مراد قطعاً اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) نہیں ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ انکو بتی امر ہے جو اللہ تعالیٰ کو بلا شائبہ شریعت غیر حاصل ہے اسی لیے وہ کفار کو بھی تسلیم ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ **وَلَهُ اسْلَمٌ مِّنْ فِی السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا**۔ اسی طرح **وَلَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلِّ لَهٗ قَانُوْنٌ**۔ **وَمَنْ یَّدْرِیْ اِلَّا مَوْضِعُ یَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ**۔ اس لیے پر ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں دو رائیں ہوں اس لیے مفکرین اسلام وضاحت کرتے ہیں کہ اصل مسئلہ شرعی حاکمیت کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں انسان کے اختیار کا معاملہ ہو وہاں اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرے اسی کے معنی عبادت کے ہیں جو زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔

اس امر میں اللہ کی مرضی کا مفہوم اس مرضی سے علیحدہ ہے جو انکو اپنی طور پر سب کو قبول کرنی پڑتی ہے۔ اسی دوسری قسم کی مشیت اور خوشنودی کی بنیاد پہلی آخری جو اذن و سزا کا انحصار ہے۔ علمائے اسلام نے دووں مشیتوں کے فرق کے لیے دو الگ الگ اصطلاحیں مقرر کی ہیں (۱) توحید ربوبیت (۲) توحید الوہیت۔

انبیاء کی دعوت کا بنیادی نکتہ توحید الوہیت ہی ہے کیونکہ توحید ربوبیت تو تسلیم شدہ امر ہے

ملہ سورۃ ال عمران ۸۳۔ زمین و آسمان کے سب انس و جن اور فرشتے خوشی یا ناخوشی سے اسی کے فرمانبردار ہیں یعنی تقدیر الہی کے سامنے بے بس ہیں۔

۳۔ سورۃ الروم ۲۶۔ اللہ ہی کے لیے کل کائنات کی ملکیت و اختیار ہے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

۴۔ سورۃ یونس ۳۱۔ تدبیر کائنات کون کرتا ہے۔ کافر جواب یہی دیں گے اللہ ہی یعنی تخلیق و اختیار میں اللہ کی حاکمیت کفار کو بھی تسلیم ہے۔

اگر کوئی انکار بھی کرتا ہے تو فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ وہ رب کے اقرار پر مجبور ہے۔ قال سے نہیں تو حال ہی سے !

حاصل یہ ہے کہ اسلام میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ بندے نے اللہ کی اطاعت قبول کر لی اور وہ اللہ کے سامنے عبد کی حیثیت کا اعلان کرنے کا مکلف ہے۔ لا الہ الا اللہ کے یہی معنی ہیں۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اسلام میں اصل چیز عبادت اور اطاعت ہے جسے اللہ کے لیے خاص کرنے کا نام توحید الوہیت اور توحید عبارت ہے۔ انبیاء اور مشرکین کے درمیان یہی مسئلہ نزاع رہا کہ جب ربوبیت اور قدرت و اقتدار صرف اللہ کے لیے تسلیم ہے تو جھگڑنا بھی اسی کے سامنے چاہیے اور فرمانبرداری بھی اسی کی کرنی چاہیے گویا تسلیم شدہ امر توحید ربوبیت کو توحید الوہیت کے اثبات کی دلیل بنایا جاتا ہے۔ قرآن اسی انداز فکر سے بھرا پڑا ہے۔ کتاب و سنت میں انبیاء اور اہل اطاعت کی طرف جو اطاعت کی نسبت ملتی ہے اس سے دعو کا نہ کھانا چاہیے کیونکہ درحقیقت وہ اطاعت یا تو صرف وحی الہی کی ہوتی ہے جو انبیاء کی طرف کی جاتی ہے جیسا کہ دعا یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحیٰ اور ولو تقول علينا بعض الاقاویل لاخذ نامنہ بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین اور ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ میں مذکور ہے یا انتظامی اور تدریجی اجتہاد ہی امور میں جو قانون کی اطاعت میں داخل ہے۔ کیونکہ اسلام میں راعی اور رعایا کے درمیان اطاعت کا تعلق اس امر سے نہیں کہ کوئی آقا ہو و مبرا غلام بلکہ دونوں نظام کی اطاعت کرتے ہیں اور اس نظام میں دونوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں۔ ایک لحاظ سے کسی کو اہمیت ہے تو دیگر اعتبار سے دوسرے کو نظم مملکت میں ہر ایک کے فرائض و حقوق ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اطاعت کے مسکین نیابت حق کا تصور بھی غیر اسلامی ہے جو غلط طور پر عیسائیت اور عجمی تصوف کی پیداوار ہے۔ جمہور علمائے امت اسی دگر سے غیث وقت کو غلیف اللہ

۱۔ سورۃ النجم ۳، ۴۔ آپ اپنی خواہش سے نہیں کہتے وہ تو وحی ہی ہے جو آپ پر کی جاتی ہے۔

۲۔ سورۃ الحاحۃ ۳، ۴، ۶۔ اگر اپنی طرف کی باتیں ہم پر لگاتے تو ہم دائیں ہاتھ سے آپ کو پکڑ کر آپ کی شاہد گ کاٹ دیتے۔

۳۔ سورۃ النصار ۸۔ جس نے رسول کا کہا نا حقیقت میں اس نے اللہ کی اطاعت کی کیونکہ نہ مانڈہ حق ہے۔

کہنے والے آدمی پر فاسق و فاجر ہونے کا فتویٰ لگاتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کا قول معروف ہے۔ لست خلیفۃ اللہ بل انا خلیفۃ رسول اللہ یعنی میں اللہ کا خلیفہ نہیں بلکہ رسول اللہ کا نائب ہوں (لاحکام السلطانہ للامور دی وغیرہ)

اسلام میں اصل اطاعت کتاب و سنت کی ہے خواہ راعی ہو یا رعایا (حکومت ہو یا شہری) دونوں اس قانون الہی کے پابند ہیں۔ اس اعتبار سے ای میں باہمی مساوات ہے۔ اگر تفسیری امور میں بھی اختلاف ہو جائے تو حق کا معیار کتاب و سنت ہوں گے کہ تفسیری امور میں بھی بنیادی فکر ہی کا رفرما ہو گا تاہم جس کی صحت کا معیار کتاب و سنت ہیں یہ قرآن کریم میں ارشاد و ربانی ہے۔ وما اختلفتم فیہ من شیء محکمہ الی اللہ ثم اور فان تنازعتم فی شئی فمرودہ الی اللہ والرسول۔ محکم و محکوم کی اپنی نیچ یا طبقاتی تقسیم اسلام میں نہیں ہے یہ سب چیزیں تصور امتداد کی خرابیاں ہیں۔ جنگ تادیب کی فتح کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کی تقریر اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی پوری زندگیاں مساوات اسلامی کی دلیل ہیں۔

۱۔ اس کی وضاحت کے لیے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کی مختلف آراء پر غور فرمائیں کہ بعضوں کی رائے انھیں مذبح کے کرچھوٹے کی تھی اور بعضوں کی انھیں قتل کر دینے کی۔ یہ اجتہادی امر تھا اس لیے اختلاف ہو گیا قرآن حکیم اور احادیث میں مذبح کے رائے رکھنے والوں کو ملامت کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہ عذاب دکھایا گیا جو مسافری نے لٹنے کی صورت میں ان کا مقدر ہوتا۔ قرآن کریم نے اس اجتہادی امر کو نبی دی سوچ کی غلطی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تویدون عرض الحیوة الدنیا واللہ یرید الاخوان الاية (الانفال : ۶۰) یعنی تم دنیا کے مال و قاع کا ارادہ کرتے ہو جب کہ اللہ آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اسی طرح اجتہادی امور کے لیے اگر بنیادی فکر و سنت ہو تو اختلاف رائے بھی برپا نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ غزوہ احزاب کے فوراً بعد آپؐ نے صحابہ کو ام کو حکم دیا کہ وہ عصر کی نماز پڑھیں پڑھیں۔ بعض نے رستہ میں تنگی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھ لی کہ رسولؐ کا اصل مقصد صرف جلدی تھا۔ بعض صحابہ نے الفاظ کا دھیان رکھتے ہوئے نماز پڑھی بلکہ منزل مقصود پر جا کر تقاضا کی۔ رسولؐ اللہ نے دونوں کو درست قرار دیا۔ چونکہ اجتہاد کتاب و سنت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے اس لیے ہر قسم کے اختلاف و نزاع کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ سورۃ الشوریٰ : ۱۰۔ جس بارے میں تمھارا اختلاف ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔ سورۃ النساء : ۵۹۔ پھر اگر تم مسلمانو! (امراء اور رعایا) کا باہمی نزاع ہو جائے گا تو اپنے ماموں کو جس کی طرف

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فتح تادسیہ کی خوشخبری سن کر تقریر کی تو آخر میں فرمایا:

بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں تو خود اللہ کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا کام میرے سپرد ہے اگر میں یہ کام اس طرح انجام دوں کہ تم آرام سے اپنے گھروں میں اطمینان کی زندگی بسر کرو تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر خدا نخواستہ میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر ماضی دیا کرو تو یہ میری بختی ہے۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں عمل سے بھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو اپنے اومین خطبہ میں یہاں تک کہا تھا کہ تم میری اطاعت کرو اگر میں اپنے رب کی اطاعت کروں اور اگر میں اللہ کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔

رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام لکھ کر حضرت ربعی بن عامر سے سوال کیا کہ جنگ سے تمہارا مقصد کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا: اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم انسانوں کو اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے نکال کر انہیں دنیا کی فراخی و آزادی سے بہرہ ور کریں۔ ادیان و مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلامی عدل و مساوات سے ہمکنار کریں۔

درحقیقت حقوق ربانی (DIVINE RULE OF KINGDOM) کے تصور سے حکومت الہیہ کا نعرہ لگا کر انسانی فرد یا معاشرہ کو خلافت (نیابت) کا منصب سونپنا اور اس کی اطاعت کرانا، تختیا کرسی (THEOCRACY) کے مماثل ہے کہ اس صورت میں ایک فرد یا گروہ خدا کی (نیابت) کے دعوے سے قانونی حاکمیت کا حامل بن جاتا ہے اور پھر اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم اس کی تردید ان الفاظ سے کرتا ہے۔ اتخذوا احبارہم درہبانہم ادبایا من دون اللہ علیہ حالانکہ وہ زبان سے رب نہیں بناتے تھے لیکن ان کے احکام کی اطاعت اسی طرح کرتے تھے جیسے اللہ کی کرنی چاہیے۔

بعض حلقوں کی طرف سے جو یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی قانون نافذ کرو یہ بھی تحصیل حاصل کے مترادف ہے۔ خدا کا قانون ایک مکمل مضابطہ حیات کی صورت میں چودہ صدیاں قبل سے نافذ ہے۔ ہمارا تعلق اس کی اطاعت سے ہے۔ ہم نے حکومت کو خدا تعالیٰ کی نیابت کے تصور سے خدائی اختیارات دے کر اس کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ

لہ التوبہ: ۳۱۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب قرار دے رکھا ہے۔



نافذ ہے۔ حکومت بھی اس کی اسی طرح پابند ہے جیسے ایک عام شہری۔ دونوں میں سے جو اس کی اطاعت نہ کرے وہ باغی ہے۔ البتہ اتنی وضاحت کی ضرورت ہے کہ وہ صرف قانوناً نافذ ہے اور اس کے عملی نفاذ کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ بطور مثال ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سنت کی حکومت قانوناً (DE-JURE) موجود ہے مگر (DE-FACTO) نہ ہوتا اس کے لیے ہمیں کوشاں رہنا چاہیے۔

آخر میں میں یہ عرض کر دوں کہ اسلام کو قبول کرنے کا تعلق چونکہ انسانوں سے ہے اور انسان کا فرض نہ صرف خود اسلام پر چلنا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر چلنے میں مدد دینا یا دوسرے نقطوں میں ام بالمعروف، نہی عن المنکر کرنا ہے اس لیے مسلمانوں کے تدریجی امور کے جو لوگ ایمنیشن ان کے لیے خلافت راشدہ کے نظام سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ اسلام نے ELECTION یا SLECTION کی کوئی واضح شکل متعین نہیں کی۔ لیکن بنیادی طور پر ایسی ہدایات ضرور دی ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے صحیح تشکیل حکومت ہو سکتی ہے چنانچہ اسلام کی رو سے اسطیلن حکومت کی صفات یہ ہونی چاہئیں۔

۱۔ تقویٰ ۲۔ مہارت ۳۔ اعتماد

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے امور کا امین بنے وہ صاحب تقویٰ ہو۔ یہ شرط بنیادی ہے مہارت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے امور صرف ان لوگوں کو سونپے جائیں جو ان امور کی اچھی طرح سمجھ رکھتے ہوں۔ یہ نہ ہو کہ صرف ہاتھ اٹھانے والے ہوں۔ یہ تو بقول اقبالؒ جمہوریت کا خاصہ ہے۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جیسا کہ بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لایا نہیں کرتے

اعتماد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا باہمی اعتماد بھی ان پر ہو کیونکہ اگر کسی کو عوام کا اعتماد حاصل نہ ہوتا وہ عوام کے دلوں پر حکومت کر سکتا ہے نہ عوام اس سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

باقی رہا یہ امر کہ ان صفات کے حامل لوگ کیسے آگے آئیں گے تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے اہل حل و عقد کا ہے کہ باہمی مشورت سے اپنے حالات کے مناسب ایسا طریقہ کار اپنائیں کہ ان صفات کے حامل لوگ ان کے امور میں امین بنیں۔ جمہوریت کے بالمقابل جب تک ان اصول کی بنیاد پر آج کے دور کے لیے کوئی نظام پیش نہیں کیا جاتا مگر جمہوریت کی خامیوں سے نجات حاصل نہیں کی جاسکتی اور یہ چیلنج پوری ملت اسلامیہ کو ہے۔ میں اسی غور و فکر کی دعوت پر اپنی گزارشات کو ختم کرتا ہوں۔

والحمد للہ رب العالمین۔

لے اگر خدا کا دین نافذ نہ ہو تو ہم ناز و روزہ بھی نہ کریں یہ تو معلوم ہی ہے کہ جیسے ناز و روزہ دین ہے اسی طرح معاشرت۔



المفسر والمفسر

عزیز زبیدی

## سُورَةُ بَقَرَةِ

(قسط ۲۳)

وَاذْكُرْ اَعْدَانَا مُوسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْنَا الْعِجْلَ

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں (کے پتلے کا) وعدہ کیا پھر تم ان کے (گٹے) پیچھے

مِنْ بَعْدِهِ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

(پرستش کے لیے) بچھڑے کو لے بیٹھے اور تم (آپ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تم سے درگزر کیا)

لَهُ فَلَا تَحْزَنْ اَعْدَانَا اور جب ہم نے وعدہ کیا، اور جب ہم نے وقت مقرر کیا، اور جب ہم نے

وعدہ کر لیا تھا)

اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان قول وقرائے پایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

اللہ کے ہاں یعنی تنہائیوں میں اگر قیام کریں گے اور حق تعالیٰ انھیں کتاب اور فرقان عطا کریں گے۔

تنہائیوں کو خدا کا دربار قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں بہر حال

اللہ تعالیٰ ضرور ہوتا ہے، غسل خانہ میں جہاں اور کوئی نہیں ہوتا وہاں بھی کپڑا باندھ کر نہانے

کی سفارش کی گئی ہے، کیونکہ اللہ تو بہر حال دیکھتا ہے۔ پھر تنہائیاں کچھ فضا بھی ایسی جہاں کہ ریتی

ہیں کہ رب کی مصیبت کا احساس کروٹ لینے لگتا ہے، بشرطیکہ ان تنہائیوں میں کوئی اس احساس

اور گھڑلوں کو آواز دے۔ اس کے علاوہ جب کوئی شخص سب دھندے چھوڑ کر رب کے حضور،

رب کے لیے یکسو ہو جاتا ہے، تو اسے بھی ”دربار الہی“ میں بندے کی حاضری ”تصور کی جاتی ہے۔

خواہ وہ بھرے مجمع میں کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ یہاں ستر نقیہ کی ہمراہی میں ہوا۔ پس اس وعدہ میں

اسی قسم کی تنہائی کا ذکر ہے، اور یہ وعدہ گاہ کہہ طور سینا کی داہنی جانب کی کوئی چوٹی یا جگہ تھی۔

وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الْغُرِّ الْأَيْمَنِ رِبًّا - طہ ۷

محققین نے طور سینا اور اس کے محل وقوع کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ

ہے کہ:

سینا کا جزیرہ نما علیحدہ سویڈن اور خلیج عقبہ سے گھرا ہوا ہے اور اس کے شمال میں بیاہاں تیرہ ہے۔ کبھی افریقہ کو عرب کے شمالی و جنوبی حصہ سے ملائے ہوئے تھا، اس جزیرہ نما میں سینا کا کوہستانی سلسلہ ہے جس میں تین علیحدہ علیحدہ پہاڑ ہیں، اول کوہ سریل جو ۶،۵۰ فٹ بلند ہے۔ دوسرا ام شیمیر۔ فٹ اور تیسرا کوہ کھترائن۔ ۸۵۴ فٹ بلند ہے۔ اس کی دو چوٹیاں ہیں، شمالی کوہ شوبہ اور جنوبی کوہ جبل موسیٰ کہتے ہیں، قرآن کا طور سینا بھی یہی کھترائن ہے۔

فراغہ کے نیچے استبداد سے چھڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اسی کوہ طور کے دامن میں لاسایا تھا۔ اور یہیں سے کوہ طور پر اپنی وعدہ گاہ پر تشریف لے گئے تھے۔

۱۱ موسیٰ۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) آپ کا تفصیلی تذکرہ رکوع کے آخر میں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۲ اَوَّلَ بَعَيْنَ لَيْلَةٍ (چالیس راتیں) دوسرے مقام پر سے ایک ماہ دس دن سے تعبیر فرمایا ہے۔  
وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ رَجَبَاتٍ ۚ فَبَدَأَ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ (رپ۔ اعراف ۷)

کہتے ہیں تیس دن ماہ ذیقعد کے تھے اور پہلا عشرہ ذی الحجہ کا تھا مگر حدیث میں اس کی تفصیل نہیں آئی۔

اس سفر اور ملاقات میں اسرائیلی ستر قبیلہ اور نہما بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ وعدہ گاہ میں تشریف لے گئے تھے۔ رَجَبَاتِنَا اس کے لیے قرینہ ہے۔

وَأَخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا أَلِيمَاتِنَا رِبًّا - (الاعراف ۷)

چیلے۔ صوفیائے کرام نے اس واقعہ کو اپنے مخصوص چیلوں کے لیے بنیاد اور ماخذ قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ بات محل نظر ہے، وہاں حضرت موسیٰ تنہا نہیں تھے۔ اس کے علاوہ امت محمدیہ علی ما جہا الصلوٰۃ والسلام کیلئے منون چیلہ اشکاف تجویز کیا گیا ہے۔ اس منون چیلہ کے بجائے صوفیائے کرام کا دوسرے عجیب چیلوں پر مجتمع ہو جانا ہمارے لیے مقام ہیرت ہے۔

پہلی شریعت اس وقت ہمارے لیے قابل عمل ہوتی ہے جب اس سلسلے میں ہماری اپنی شریعت خاموش ہو۔ اگر پیش آمدہ صورت کے متعلق ہماری اپنی شریعت نے کوئی ممنون طرز عمل خود پیش کیا ہو تو پھر پہلے انبیاء کے شرائط کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

چلے گا یہ دستور جو یونین کے کرام کے ہاں متداول ہے، اگر کبھی دیکھنے میں آیا ہے تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حد تک اس کا کہیں کہیں مشاہدہ کیا گیا ہے، لیکن غیر نبی کے بارے میں اس قسم کے چلوں کے لیے کسی بھی شریعت نے کوئی سفارش کی ہو، ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں قرآن حکیم نے نبی اسرائیل کے اس طرز عمل کو بدعت سے تعبیر کیا ہے۔

تَعْبَادِيَّةً اَبَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اِلَّا اُبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا دَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (پہ - حدید)

رہبانیت کو انھوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر اسے واجب نہیں کیا تھا، ہاں انھوں نے (یہ سب کچھ) محض اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے تھا سو وہ اس کی (بھی) پوری پوری نگہداشت نہ کر سکے۔

رہبانیت، عبادت میں بالاعتدال خلوت گزری کا نام ہے، وہی المباعدة في العبادة و الرياضة والاعتدال عن الناس (بیضاوی)

قال ابو حنيفة: والمراد من الرهبانية توهيهم في الجبال فارتبوا من الفتنة في الدين مخلصين انفسهم للعبادة مستعملين كلفاً لثبوتهم على العبادات التي كانت واجبة عليهم من الخلوة واللباس الخشن والاعتزال عن النساء، والتعبد في الغيران والكهوف (فی کچھ سو حدید)

بیضاوی فرماتے ہیں یہ عجولیات (ایسا رہندہ، خود ساختہ) کی قسم سے ہے۔

رهبانية معتدعة على انفسهم من المجعولات (بیضاوی)

در اصل یہ چلے "دین نامہ" کی دلیل ہے، بعض زندگی میں اور زندگی میں زندگی کو توازن لے کر چلنے کا نام دین ہے۔ چلے آج سے فراق کی ایک صورت ہے۔ اس لیے ہم ان چلوں سے مطمئن نہیں ہیں۔ کچھ بزرگوں کا خیال ہے کہ جب ایک کام دین سمجھ کر کر لیا جائے تو اسے نباہ دینا چاہیے، مگر یہ نتیجہ محلی نظر سے یہاں بنا ہوتا دیکھا گیا ہے، اور یہ بات ناپسندیدگی کی علامت ہے متروغیت کی نہیں۔

تقویم - روم کے سبائے "لیڈ" کو اختیار کرنا اس امر کا شمار ہے کہ شریعت میں معتبر تقویم، تقویم قمری ہے جو چاند کی پہلی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔

قال الزاوی : انما قال اربعین لیلة لان المشهور بقصد آمت الیابی (تفسیر کبیر)

وقال القرطبی : دلت الایة علی ان التاریخ یکون باللیالی دون الایام (قرطبی)

نمود تاریخ کا مادہ ارجح بھی عبرانی وغیرہ سامی زبانوں میں چاند کے ہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو تاریخ کے سلسلے میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی شمسی کے مقابلے میں قمری تقویم بالکل قدرتی ہے۔

اسلام سے پہلے مکہ والوں نے "نسبی" (بھلائے، چھپے ڈال دینے) موند لگانے اور کیسیہ کا طریقہ رائج کر رکھا تھا، حقیقت میں یہ کیسیہ یا موند لگانے کی صورت نہیں تھی بلکہ اغراض فاسدہ کی بنا پر مثلاً حرمت کے مہینوں (محرم، رجب، ذیقعد، ذی الحجہ) میں نیت خراب ہو جاتی اور چاہتے کہ دنگا فساد ہو اور اتفاقی سے وہ مہینہ حرمت والا ہوتا جس میں بدامنی جائزہ نہیں ہوتی تو اس ماہ کو تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی دوسرا ماہ بنا لیتے مثلاً محرم کی جگہ صفر، اس کے بعد پھر محرم کا چکر مہینہ بیدہ تمیم کا نظر جس کا قلمس عقب ہوتا تھا۔ وہ حج کے دنوں میں اس "نسبی" کا اعلان کیا کرتا تھا۔ جبرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا (سائیک الذہبی)

قرآن کریم نے انہما النبی زکادۃ فی الکفر (سورۃ توبہ ۸) مہینوں کو ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے۔ ان کی اسی دھاندلی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور سید کو حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس "نسبی" کے خاتمہ کا اعلان فرمایا تھا۔

ان الزمان قد استدار کھیتہ یوم خلق اللہ المسنوت والارض (بخاری)

دوسری اس کی شکل کیسیہ کی تھی کہ قمری اور شمسی مہینوں کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کیا کرتے تھے مگر انتہائی تکلف کے ساتھ یہ ہر حال دس ہجری کے بعد مسلمانوں میں قمری تقویم رائج ہو گئی۔

مالکذاری اور فضلوں کے حساب کتاب کو درست رکھنے کے لیے مسلمانوں نے ایرانی تقویم کو بھی

اپنانے کی کوشش کی اور اس میں حسب ضرورت اصلاح بھی کرتے رہے۔ ملک شاہ بلوچی نے بھی شکستہ

میں اس کی اصلاح کے لیے عمر خیام ابوالمظفر اسفزاری، خواجہ عبدالرحمان خاوری، میمون داسطی، احمد معوری

بہیقی اور حکیم ابوالعباس سوکری وغیرہ پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کام کیا تھا۔ اس کا نام جلالی تقویم تھا جو

تاریخی غارت گردوں کے ہاتھ تباہ بھی ہو گئی! ہاں زیچ الف بگیب اور اس کی شرح مؤلفہ بر جندی نے

اس کے نارموں کا پیچہ حلاصہ نقل کر دیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کام کئی لاکھوں پر

کیا تھا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مسلمان ریاضی دانوں نے زمانہ جدید کے نازک اور حساس آلوں کے بغیر جو تقویم بنائی تھی وہ جدید ترین تحقیقات سے صرف بارہ سیکنڈ سالانہ مختلف نکلی ہے۔ یہ سیکنڈوں کی کسرات کا اصلاح کے لیے بھی پرپ کر گیری کے حکم کے مطابق جو اصلاح کی گئی تھی اس کی رُو سے تین یا سو تین ہزار سال میں پرے ایک دن کا فرق پڑ جاتا ہے لیکن مسلمانوں نے جو طریقہ ملحوظ رکھا تھا اس کی رُو سے (۲۵) ہزار سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ میں ایک دن کا فرق پیدا ہوتا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اگائے کا بچھڑا) مصر کے ایک دیوتا کا نام "حورس" تھا، اس کا چہرہ گائے کی شکل کا تھا، سامری نے بنی اسرائیل سے زیورات اور سونے کے جو بت بنایا تھا وہ اسی "حورس" کی شکل کا تھا۔ ہندوؤں کی طرح مصری بھی گو سالہ پرست تھے، یہ اسرائیلی بھی ان کی غلامی کی وجہ سے "اناس علی دین مملوکہم" ان کے نقش قدم پر چل نکلے اور اس میں اس قدر راسخ ہو رہے کہ جب حضرت موسیٰ ان کو بحر احمر کے شمالی سرے سے پار لے کر سینا میں پہنچے تو وہاں ایک قوم کو صنم خانوں میں بتوں کے پاس چلے اور تمکاف کرتے دیکھا تو تڑپ اٹھے اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہمیں بھی ان کی طرح کا کوئی دیوتا بنا دو۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْْبُدُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۖ قَالُوا أَيُّ مَوْتَئٍ جَعَلْنَا إِلَهًا كَمَا تَجْعَلُونَ ۖ قَاتِلْهُمْ قَاتِلْ رُكُومَ تَجْهَلُونَ (پ۔ سورہ اعراف ۷)

چونکہ ان میں گو سالہ پرستی کے جراثیم ابھی کافی طاقتور تھے اس لیے مصریوں کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے باوجود اب بھی ان کے دماغ صنم خانے ہی تھے۔ سامری جو ایک شاطر قوم کا سیاسی آدمی بھی تھا اور ذہین قسم کا ہنرمند بھی، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری کو غیبت سمجھا اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے میں کامیاب ہو گیا کہ خدا جانے حضرت موسیٰ کہاں غائب ہو گئے۔ اب وہ واپس آئیں گے بھی یا نہیں، آرام سے ہم بیٹھے تھے وہاں سے لاکھ ہمیں یہاں چھوڑا، اب مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی پرسان حال نہیں ہے، ان کو یا لوسی کی ان اتھاہ گہرائیوں میں ڈالنے کے بعد خود کو مرجع عقیدت بنانے کی کوشش کی، ادھام پرست لوگوں کو رام کرنے کے لیے سب سے کامیاب حربہ عجوبہ کی نمائش ہوتی ہے چنانچہ اس نے بنی اسرائیل سے سونا اور زیورات منگو کر گچھلائے اور میکا کی طریقے سے بچھڑے کی صورت کا ایک مجسمہ بنایا جس میں جب ہوا یا سوچ کی کرنیں داخل ہوتیں تو گائے بچھڑے کی طرح اس سے آواز نکلتی۔ اس مہدی میں یہ بات کچھ بڑی بات



نہیں تھی۔ پندرہویں صدی قبل مسیح میں امینو پ سوم کے عہد میں، اس کے میر عمارت نے، تھیس کے کے مغربی میدان میں فرعون کے دو مجسمے بنائے تھے، جن کے پیٹ سے طلوع آفتاب کے وقت آواز نکلتی تھی۔ اسی نارمولا کے مطابق سامری نے بچھڑے کو بنایا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اسے دیکھتے ہی وہ سجدے میں گر گئے۔

فَاخْرَجْنَاهُمْ عَجَلًا حَسَدًا لِّاَنَّهُمْ كُفَرُواْ هَذَا اَللّٰهُمَّ وَاَلِہٖٓ مُّوسٰی ہٰنَسِی رَیْبًا۔ (طہ ۷۷)  
 پھر اس سامری نے ان (اسرائیلیوں) کے لیے اس کا ایک بچھڑا (ناک) نکال کھڑا کیا (وہ ایسا) بُت (تھا) جس کی آواز (بھی) بچھڑے ہی کی تھی، اس پر وہ بول اٹھے (آیا) یہی تو تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا (بھی) سو (افسوس) وہ بھول کر (کوہ طور پر چلا) گیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا کہ تم ایک سازش کا شکار ہو گئے ہو، خدا تو تمہارا وہی رحمان ہے۔

يَقُوْمُ اِنَّمَا خَلَقْتُمْ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمْ الرَّحْمٰنُ (پ - طہ ۷۸)

برے: حضرت موسیٰ آپس کے تو دیکھی جائے گی، صرف آپ کے کہنے سے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

فَاَلْمَلٰئِیْۤہٗۤنَ سَبَّحَ عَلَیْہِٗۤہٗۤنِۤہٗ حَیْۤہٗ یَرْجِعُ الَیْنَا مُوسٰی (ایضاً)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس گمراہی کی اطلاع وہاں کوہ طور پر ہی مل گئی تھی کہ: لیجئے! سامری انھیں لے ڈوبا ہے۔

فَاَنۡاَقَدۡ فَعَلْنَا قَوْمَکَ مِنْۢ بَعْدِیۡ ذَکَ وَاَصَلَّہُمُ النَّارُ (پ - طہ ۷۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے غصے غصے واپس تشریف لاتے اور اگر قوم کو ڈانٹا اور کہا کہ، کیا میں نے مقررہ وقت سے زیادہ دیر لگا دی ہے کہ اپنی مرضی کرنے لگ گئے ہو یا ویسے ہی جوتے کھانے کو جی چاہنے لگا تھا۔

اَفَعَمَّالَ عَلَیْکُمُ الْعٰہِدُ اَمَّا رَدُّنَا اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْکُمُ غَضَبُ مِنۡ دَرِیْکُمُ (ایضاً)  
 وہ برے! دانستہ اور خوشی سے تو ہم نے ایسا نہیں کیا، قبیلوں کے سونے کے زیورات وغیرہ کا جو بوجھ ہم لادائے تھے، ناجائز تھے، انھیں اکٹھا کر کے آگ میں لا پھینکا، اور ہماری طرح سامری نے بھی اس میں لا ڈالا (اسرائیلیات اور مغیرین) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے زیوروں کے بوجھ سے تنگ آ گئے تھے چنانچہ لاکر ان کو آگ میں لا ڈالا اور سامری نے بھی لا ڈالا۔ ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں

کہ ہم مصلحتوں سے فیض سیکھ کر آئے اور بن ٹھن کر رہنے لگے۔ مگر اب سمجھے کہ یہ خطبہ ہی ہے۔ اس لیے جاکر پھینک آئے۔

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدًا بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حُبَلْنَا أَوْ زَارَ مِنَّا رُسُلُهُمُ فَنُفِيتَهُمُ فَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ  
يَا أَيُّهَا الْمَسِيرِيُّ (طہ ۷)

کہنا وہ یہ پیاتے تھے کہ پھر سامری نے اسے آوازیں نکلانے والا بچھڑا بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا، چنانچہ ہم سوچ میں پڑ گئے کہ کہیں یہی وہ معبود نہ ہو جس کی تلاش میں حضرت موسیٰؑ نکلے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت ہارونؑ کا محاسبہ کیا: انھوں نے جواب دیا کہ میری نہیں سنتے تھے۔ زیادہ متبادل نہ کیا کہ کہیں آپ یہ فراموش نہیں کرتے کہ قوم کو انتشار اور افتراق کی راہ پر ڈال دیا۔  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكَ يَا أَيُّهَا الْمَسِيرِيُّ (طہ ۸)

آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے سختی کے ساتھ جو باز پرس فرمائی تھی، اس کے لیے اللہ سے اب اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے معافی کی درخواست کی۔

وَبِأَنفُسِنَا كَذَبْنَا وَأَخْلَفْنَا فِي وَعْدِنَا إِنَّنَا لَكَاذِبُونَ (طہ ۹)

اب سامری کی ابری آئی: کیوں جناب یہ کیا قصہ ہے؟

وہ بولا: جناب! آپ کی خاک پاکی یہ سب کلامت ہے یہ وہ بات تھی جو سب کے سمجھنے کی نہیں تھی، ایک مٹھی لے کر میں نے اس محبت میں ڈال دی تو وہ آوازیں دینے لگ گیا۔ اب اگر وہ بچھڑا ہل پڑا تو اس میں میرا کیا قصور، اگر لوگ یہ تحیر العقول صورت دیکھ کر بے قابو ہو گئے تو اس میں ان کا کیا दोش؟ عوام، عوام ہی ہوتے ہیں، اب اگر وہ سجدہ میں گر گئے تو خدا ہی کے نام پر گرے، انھیں معذور کیوں نہ تصور کیا جائے؟ اس کے معنی نیز انفاطیر ہیں۔

لَقَدْ كَذَبْنَا كَذِبًا كَبِيرًا  
لَقَدْ كَذَبْنَا كَذِبًا كَبِيرًا  
سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي (طہ)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ عجیب لوگ ہیں کہ اس کی صرف آواز پر مٹے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ نہ تو کوئی جواب دے سکتا ہے اور نہ کوئی نفع و نقصان۔

أَفَلَا يَدْرُونَ أَنَّ إِلَهُكُمُ قَوْلًا وَلَا يُعَذِّبُهُمْ صَرَخًا وَلَا تَفْعَالًا (طہ ۱۰)

أَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْآيَاتُ لَعَلَّ يَتَذَكَّرُونَ (طہ ۱۱)

اور فرمایا کہ جو اتنی بات بھی نہیں سمجھتے اور اندھے ہو کر ان کی پوجا میں لگ گئے ہیں، ان کی

کی زندگی بہت ہی ذلت کی زندگی گزرے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِبَادَ سَيِّئًا لَّهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذَلِكَ فِي الْعِيسَى  
الْمُذْنِبِينَ (اعراف ۹)

یہاں جنہوں نے تو بکرلی، ان کو عذاب کر دیا جائے گا۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا الشَّيْئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَأَمْوَالُهُم مِّن بَعْدِهَا  
لَعَنُوا رَحِمًا (اعراف ۹)

جب ان کا کیا ان کے آگے آیا تو بہت کچھ پائے اور لگے دعائیں مانگنے۔

وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ دَرَاوَاهُمْ قَدْ ضَلُّوا فَاوْلَئِكَ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا  
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف ۹)

بچھڑے کے سوداؤں کے علاوہ دوا اور طبقے بھی تھے، ایک وہ جنہوں نے ان کو سمجھایا بچھایا، دوا  
وہ جو خاموش تماشائی بنا رہا۔ جو بچھڑے کے سوداؤں اور سبجاری تھے، ان کے لیے تو قتل کی سزا تجویز ہوئی  
کیونکہ یہ غریبی تقاضا کے علاوہ ان کی شریعت میں یہ ایک نوعدار جرم بھی تھا، جو ہرے تماشائی یا تبلیغ  
کرنے والے، سوان کو حکم ہوا کہ تو بکرلی اور ان جرموں کی گردنیں اڑائیں۔

فَتَوَلَّوْا إِلَى بَارِيكُمْ فَاتَّخَذُوا أَنفُسَكُمْ رِبْعَةً (۹)

بچھڑے کی پوجا ساری قوم نے نہیں کی تھی بلکہ عامی قسم کے زود اعتقاد لوگوں نے کی تھی۔

أَتَاهُم مَّا فَعَلَ اسْقَاهَا مِثْرًا (اعراف ۹)

ساری سے کہا کہ: اب تم اپنے مسبود کا شر دیکھو اسے رکھ بنا کر سمن دریں بہائے

دیتے ہیں۔

وَأَنظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي  
الْبَحْرِ نَسْفًا رَّبِّ - طہ ۹

۹ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ (پھر ہم نے تم سے درگزر کی) بچھڑے کا سلسلہ دراصل ایک قومی جرم تھا  
مگر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا کہ جو زود اعتقاد، عجوبہ پسند اور وہاں پرست لوگ براہ راست بچھڑے  
کی پوجا میں ملوث ہوئے تھے صرف انہیں سزا دی گئی اور باقی جو تماشائی یا وسیع النظم لوگ بے غیرت  
و انشور تھے انہیں تو بکر نے پر معاف کر دیا۔ الغرض یہاں فرمایا کہ: تم نے گو بڑی نالائقیوں کا مظاہرہ کیا تاہم  
ہم نے جینے کی تم کو پھر نہلت دی اور پوری قوم کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کیا۔

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَذَاتَيْنَا مُوسَىٰ

تاکہ تم شکر کرو اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو

الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَذَقَالَ

کتاب (توراة) اور فرقان فیصل عطا کیا تاکہ تم ہدایت پاؤ اور وہ وقت بھی یاد کرو

مُوسَىٰ بِقَوْمِهِ يَقْتُولُونَكَ ظَلَمْتَ أُنْفُسَكَ

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! تم نے مجھ پر (کی پریشانی کر کے اپنے آپ پر بڑا ہی ظلم کیا تو

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا

(اب) اپنے خالق کی جناب میں توبہ کرو یعنی اپنوں کو قتل کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (تاکہ تم ہدایت پاؤ) کے معنی یہاں کئے (یعنی تاکہ) کے ہیں۔

(طبری) یعنی کتاب اور فرقان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کرنے سے غرض یہ تھی کہ تم ہدایت پا جاؤ

بھٹکے ہوئے نہ بچو۔

کتاب سے مراد تورات ہے۔ تورات کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔

اچھے عمل کرنے والوں کے لیے سزا یا نعمت ہے۔ اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ کامل تشریح ہے۔

اجمال نہیں تفصیل ہے، نہر یا ہدایت، رحمت اور کتاب مبارک ہے۔

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ ثُمَّ مَّا عَلَىٰ الذِّیْ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَ

دَحْمَةً..... وَهَذَا الْكِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا (پ۔ الانعام)

عقل مندوں کے لیے ایک یادداشت ہے۔

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ (پ۔ مومن)

کتاب تورات بصیرت افزا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَالْقَصَصَ

کتاب توراة میرا پاروشنی ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيهَا هُدًى وَنُورًا (پ۔ مائدہ)

أَنْفُسُكُمْ ذِيكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ  
 جس نے تم کو پیدا کیا اس کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ چنانچہ (جب تم نے اس کی طرف رجوع کیا تو)  
 إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَادْقَلْتُمْ يَمُوسَىٰ كُنْ  
 اس نے (جی) تمہاری توبہ قبول فرمائی، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے  
 تَوَمَّنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمْ الصِّعْقَةُ  
 حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! جس تک ہم خدا کو ظاہر طور پر دیکھ لیں ہم تمہارا یقین ہرگز نہ کریں گے  
 وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ  
 اس پر تم کو بجلی نے آدلوچا اور تم دیکھ کے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو جلا اٹھایا  
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ  
 تاکہ تم شکر کرو

یہ احکام الہی کا مجموعہ ہے۔

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ (پ۔ ماخذ ۵۷)

تورات کا وہ من تھا مگر چلنے والوں کے لیے برکتیں ہی برکتیں ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آخَرُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ

فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (ماخذ ۵۸)

اس کے بغیر ان کی قیمت ایک بیڑی پیسہ بھی نہیں ہے۔

يَا هَٰؤُلَاءِ أَلَمْ يَكْتُبْ لَكُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُدَيِّمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

إِلَيْكُمْ (ماخذ ۵۹)

اور فرقان سے مراد وہ دینی اور دنیویانہ ملکہ اور روشنی ہے جو حامل کتاب کے لیے ایک

مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بعد کتاب سے منشاء الہی کے سمجھنے اور اس کی روشنی میں

پیش آمدہ حالات کو حل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے فرقان کو مکتبے بھی

تسمیہ کیا ہے۔ تورات کے ذکر کے ساتھ دوسری جگہ فرقان کے بجائے نور اور اس کی روشنی میں



مسئلہ حل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

رَأٰنَا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَ تَوْرٰتُكُمْ بِهَا الْبَيِّنٰتُ الْغٰثِيَةُ اسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

هَادُوْا وَاَلَوْ بَايَنْتُوْا وَاَلَا حَسٰرًا لِّمَا اسْتَحَقُّوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (پ۔ مائدہ ۷۸)

کہ خیرِ تم کو عند بارِ یکم (تمہارے خالق کے نزدیک یہ کھلے لیے بہتر ہے) تو رب کے سامان بن جانا، رب کی بڑی عنایت ہوتی ہے، در آخرت انسان کی سخت بوجھل ہو جائے۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جان ہی تو ایک شے تھی، جو اسے دے دی، تو یہ سے اسے اب کیا طلب؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر تو یہ نہ ہوتی تو یہ چار روز ممکن ہے کہ آرام سے گزر جاتے لیکن ابدی زندگی داغدار ہو جاتی، اس لیے محدود کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک غیر محدود اور لازوال زندگی کا ان کو تحفظ دیا۔ کیا یہ کچھ کم عنایت ہے۔

۱۰ التَّوْبَةُ الرَّحِيْمَةُ (بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان) قدر شناس لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنے دروازے بند نہیں فرماتا، بلکہ سدا کھلے رکھتا ہے اور ان کے انتظار میں رہتا ہے کہ اگر کوئی اب بھی باز آجائے تو اس کو تمام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کرم کسی قانونی پابندی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کے سراپا رحم و کرم اور فضل کا تقاضا ہے۔

۱۱ حَتّٰی اَرٰنَا اللّٰهَ جَهَنَّمَ ۙ لَوْ تَاُوْتٰكُم مِّمَّا ظَهَرَ مِنْ خَدٰكُمۡ وَ دَخَلَ مِنْ بَیْنِ يَدٰیكُمۡ (پ۔ مائدہ ۷۸)

حضرت موسیٰ نے بھی خدا کو خدا سے دیکھنے کی خواہش کی تھی، اور ان کی قوم نے بھی ان سے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر دونوں میں فرق تھا، وہاں بات حسرت دید کی تھی اور یہاں ٹھوک بجا کر دیکھنے کی، اس سے حسرت موسیٰ سے تو کہا گیا کہ، آپ کا عشق اور حسرت دید سلامت، یہ حسرت یہاں نہیں، وہاں پرری ہوگی، لیکن گستاخ اسرائیلیوں سے کہا گیا کہ، خدا کوئی جنس دکان نہیں ہے، وہ تو جانِ ایمان ہے، تم خدا شناس نہیں ہو، خدا کو توڑنے کے مرض میں مبتلا ہوا چنانچہ ان کو اس کی سزا بھی دی گئی۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ: تلاشِ رب کے جذبہ میں صادق ہوتے تو میرے بجائے بچھڑے کے آستان پر کیوں جان چھڑکتے، محبوب کا وصال گراں ہو جائے تو عاشق صادق کی بے چینیوں اور بڑھ جاتی ہیں ایسا نہیں کہ اب وہ مقابل کسی اور محبوب کی تلاش میں لگ جائے۔

فَقَالُوْا اَرٰنَا اللّٰهَ جَهَنَّمَ ۙ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْقَةُ بِأَنۡفُسِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

(الایہ ۷۸۔ النساء ۷۸)

# استفتاء

شادی پر پیسوں کے لیے جوتا چھپانا یا راستہ روکنا

ایک طالبہ لکھتی ہے کہ:

میرے بھائی کی شادی ہے، یہاں یہ رواج ہے کہ:

۱۔ بہنوئی کا جوتا چھپا لیتی ہیں، کچھ پیسے لے کر شغل بنا کر جوتا واپس کر دیتی ہیں۔ کیا شرعاً

جائز ہے؟

۲۔ بھائی کا راستہ روک کر اس سے کچھ وصول کرتی ہیں، پھر اس کو گھر میں جانے دیتی ہیں۔

کیا یہ جائز ہے؟

## الجواب

جوتا چھپانا۔ اس انداز کا تلعب مناسب نہیں ہے: حضور کے عہد میں ایک صحابی نے دوسرے کا جوتا اسی طرح ہنسی خوشی لے کر چھپا لیا تھا آپ نے اس پر برا مانا تھا کیونکہ وقتی طور پر تو کم از کم اسے وحشت ہو ہی گئی تھی۔

عن عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اخذ نعل رجل فغلبه وادھو  
یمنح فذک ذلک لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم لا ترو عوا المسلم فان روعته المسلم ظلم عظیم (رواہ البزار واطبرانی)

گو اس واقعہ میں جس سے مذاق ہوا تھا بے خبری تھی اور قدرے پریشانی بھی۔ اور بہنوئی کا جوتا چرانے میں یہ بات نہیں ہوتی، پہلے سے ہی اس کا اندازہ ہوتا ہے، تاہم بہنوئی سے یہ بے تکلفی شرعاً مستحسن نہیں ہوتی۔ ویسے بھی یہ استحصال کی ایک شکل ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بہنوئی سے اس انداز کی چھیڑ چھاڑ کچھ اچھا رنگ نہیں لاتی۔

راستہ روک کر لینا۔ یہ ایک قبیح رسم ہے، اگر بھائی کو بہن کی دجوتی مقصود ہے تو اس کو بھڑے میں پڑے بغیر اس کی خدمت کر دیا کرے۔ اور اس موقع پر بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کے لیے اس کی خدمت کر دیا کرے تو بہت ہی خوب رہے۔ بھرے ماحول میں بھائی کا راستہ روکنا

پھر راحت کر کے طے کرنا منصف نازک کی متانت اور طہارت نفس کے بالکل خلاف بات ہے۔  
 حجاب خاتون کا زیور ہے، جو ایسی باتوں سے ضائع ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک  
 غلام حضرت فاطمہ کے حوالے کرنے گئے تو حضرت فاطمہ بے چین ہو کر کپڑوں میں پیٹنے لگ گئیں۔  
 معلوم ہوا کہ محرم کے ہمراہ غیر محرم ہونے عورت کے لیے بے تکلفی اپنے محرم سے بھی مناسبت نہیں  
 ہوتی۔ وہ حدیث یہ ہے:

عن انس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتی فاطمة بعد قد وہب لها قال  
 وعلی فاطمة عنی اللہ تعالیٰ عنہا ثوب اذا قنعت براسها لم یبلغ رجليها واذا غطت  
 به رجليها لم یبلغ راسها فلما لای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما تلتقی قال  
 انه لیس علیک باس انما هو اولک وغلامک (ابوداؤد باب فی العبد الی شعر مولاتہ۔  
 کتاب اللباس)

اس سے ثابت ہوا کہ: اپنے والد اور بھائی بندوں سے ایسے موقع پر بے تکلفی کی نائس کرنا  
 جب دیاں غیر محرم بھی ہوں۔ اسوۂ بتول اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔  
 ۴۔ ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ:

- ۱۔ کیا سجدۂ تلاوت فرض ہے؟
- ۲۔ کیا اس کے لیے وضو بھی ضروری ہے؟
- ۳۔ اس میں کیا پڑھنا چاہیے؟ کیا تکبیر کہنا چاہیے؟

### الجواب

سجدۂ تلاوت فرض نہیں ہے:

قال یا ایہا الناس! انہما تمربا بالسجود فمن سجد فقد اصاب ومن لم یسجد  
 فلا اثم علیہ ولم یسجد عمرو زاذ نافع عن ابن عمر ان اللہ لم یفرض السجود الا ان  
 نشاء (بخاری ص ۱۴)

گو اللہ کا کرم ہے کہ اسے فرض نہیں کیا تاہم موقع پر سجدہ نہ کرنا مناسبت نہیں ہے۔ بعض مقام تو  
 ایسے آتے ہیں کہ اونٹھے منہ گر جانے کو جی چاہتا ہے۔ یہ محل موقع کی بات ہے۔

تسجد حتی ما یجد احدنا موضع جہتہ (بخاری ص ۱۴)

یہی مذہب امام شافعی اور امام مالک کا ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے مگر

یہ عمل نظر ہے۔

قال عمر: ان الله لم يكتبها علينا الا ان تشاء، قال ابن رشد وهذا بمحض من

الصحابة (بدایہ)

سجدہ کے لیے وضو۔ ضروری نہیں ہے، ہو تو بہتر ہے، اگر وضو ضروری قرار دیا جائے تو تلوات کر رہا ہوتا ہے اس سے تو وضو متوقع ہوتا ہے لیکن ہر سماع بھی اس وقت با وضو ہو، محال ہے آیت سن کر بات مسجد میں گرنے کی ہے، اگر وضو کی قید بھی ہو تو بات موقع کی نہیں رہے گی حالانکہ مسجد تلوات کے وقت کی فوری کیفیت کا نام ہے۔

قال الشوكاني: ليس في احاديث سجود التلاوة ما يدل على اعتبار ان يكون الساجد

متوضاً وقد كان يسجد ومعه صلى الله تعالى عليه وسلم من حضر تلاوته ولم ينقل انه

امرا احدا منهم بالوضوء ويبعد ان يكونا جليعا متوضئين (نبیل)

امام بخاری کے نسخے سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے کہ طہارت کے لیے وضو ضروری نہیں سمجھتے انھوں نے باب یوں ذکر کیا ہے:

باب سجود المسلمين مع المسلمين مع المشركين نجس ليس له وضوء وكان ابن عمر

يسجد على غير وضوء (بخاری)

قال العافظ، بانه يبعد في العادة ان يكون جميع من حضر من المسلمين كوا عند

قراءة الآية على وضوء ولا نعم لم يتأهبوا لذلك (فتح)

مکبیر۔ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ تلاوت کرنا چاہیے، حضور ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

عن ابن عمر قال: كان النبی صلى الله تعالى عليه وسلم يقرأ علينا القرآن فاذا امر

بالمسجدة، كبتر وسجد وسجدنا (رواه ابو داود وفيه العمدة)

مکبیر سجدہ کو پڑھتے اور اس سہرا اٹھاتے ہوئے کہتی چاہیے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد)

کیا پڑھنا چاہیے؟ یہ پڑھیں!

سجد وجہی للذی خلقه، وشق سمعه وبصره، بحوله وقوته (رواه احمد و

الترمذی وابوداؤد)

اللهم احطط عني وزدا واكتب لي بها اجرا واجعلها لي عندك ذخراً وتقبلها مني

کما تقبلتها من عبدك داؤد علیہ السلام (رواه الترمذی)

# اسلام کا قانون سرقت (۴)

(مبسوطہ تعزیمات اسلام)

ہم پہلی اقساط میں متعدد مرتبہ یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ فقہ علی العموم اس قابل نہیں کہ اسے آج کے معاشرہ میں من و عنین نافذ کر دیا جائے لیکن فقہ حنفی کی شان تو کچھ نرالی ہی ہے کہ جس کی بنیاد ۵۰۰ فی صد حیلہ سازی پر ہے اور حیل کے ذریعے مجرم کو اذیت کے پردہ میں تحفظ بخشتا ہے لیکن نامعلوم ہمارے ہر بان ایسی حیلہ سازی کو ختم کرنے کی بجائے انشا امام بخاری وغیرہ ائمہ محدثین کو کیوں کو تھے ہیں کہ انھوں نے ان پہلوؤں کی نشان دہی فرما کر عاقبت انسان کی رہنمائی دینا چاہی کے جرم عظیم کا ارتکاب کیوں کیا؟ یہی رونا ہمارے ہر بانوں کو مولانا آزاد پر ہے کہ تذکرہ کے وہ صفحات زخم پر نمک سے کم نہیں لیکن حقیقت ہم اس فقہ سے بیزار ہیں جس کا تمام تر محور و مدار کتاب الجہل ہی ہو

سے ماہل حدیثیم وغار انہ شناسیم

حدیث نبی چوں وچرانہ شناسیم

صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ و فن نیست

اور

چنانچہ حیلہ سازی کی مثال بلا خط فرمائیے کہ قاضی صاحب دفعہ مشاکس ضمن میں فرماتے ہیں: "موقوف مقام سے مال کو باہر نکالنے سے قبل ہلاک کرنا موجب ضمان ہوگا۔" یعنی اگر محفوظ مقام سے نکالنے سے پہلے سارق مال ہلاک کر دے تو اس پر حد نہیں ضمان ہوگا اور ہلاک متصور ہونے کی صورتیں درج ذیل بتائی گئی ہیں۔

- ۱۔ روپیہ پیسہ یا کوئی چیز نگل کر سارق محفوظ مقام سے باہر آجائے۔
- ۲۔ کسی جانور کو ذبح کر کے محفوظ مقام سے باہر لائے۔
- ۳۔ کپڑا وغیرہ پھاڑ دیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت سرقہ سے کم ہو گئی پھر اس کو محفوظ جگہ سے باہر لایا۔ وغیرہ وغیرہ۔



اب صاحب عقل یہ بات محسوس کر سکتا ہے کہ مندرجہ بالا صورتوں میں سرقہ منہ کی نسبت سارق کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور وہ ہومہ و مفروضہ صورتوں کے پیش نظر آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایسے احکام صادر فرمانے کی محض اس وجہ سے کوشش کی گئی ہے کہ کہیں فقہ حنفی پر یہ الزام نہ آجائے کہ وہ اب فرمودہ ہو چکی ہے ایک ہزار سال بعد قانون کی حیثیت اسے وہ کام نہیں دے سکتی حالانکہ یہ خصوصیت صرف شریعت (ارشاد است البیہ اور فرامین پیغمبر) ہی کو حاصل ہے کہ وہ کسی دور میں ناکام نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت یہی پس منظر ان تمام فقہی مؤثر گائیوں کا ہے گویا یہ بھی ایک غیر معصوم پیغمبر کی شریعت ہے جو تاقیامت قابل عمل ہے حالانکہ یہ نظریہ سراسر تردید ہے آپ اسے یکے انکر شمس ہائے تقلید سمجھیے کہ ایک شخص کسی گھر سے بریت سرقہ قدر نصاب سونا نکل لیتا ہے یا مروجہ کرنسی بقدر نصاب نکل لیتا ہے یا کوئی حجم والی چیز بقدر نصاب اور قیمتی چیز پیٹ میں ڈال لیتا ہے یا کم از کم وہ بلا ضرورت کھانے پینے والی چیز بقدر نصاب کھا لیتا ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ جب کہ آج کل ایسی متعدد صورتیں سامنے آچکی ہیں کہ سارق نکلے ہوئے مال کو منہ کے ذریعہ یا فضلہ کے راستہ خارج کر سکتا ہے بلکہ اگر اتنا سونا یا کرنسی وہ اپنی فنی مہارت کی بنا پر نکل لے جس سے اسے خاطر خواہ فائدہ ہو تو وہ یقیناً اسے اپریشن کے ذریعہ نکالنے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو پھر اس پر حد کیوں نہ جاری ہوگی؟

اسی طرح اصحاب خرد کو یہ بات بھی دعوت غور و فکر دیتی ہے کہ ایک شخص کسی گھر سے بکری یا مرغیاں ذبح کر کے لے جاتا ہے تاکہ وہ آواز وغیرہ نہ نکالے یا کسی اور مفاد کے پیش نظر تو اس پر حد کیوں نہ ہوگی۔ کیا جانور کو زندہ لے کر منہ سے اسے سارق کا یہ جرم ہے کہ اس نے جانور کو زندہ کیوں رکھا؟ یا سرقہ منہ کو پہلی صورت میں شفقت حاصل ہونے کی توقع ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی بڑا عجیب ہے کہ اگر ایک شخص بالفرض ایک سو گز کپڑا بقدر نصاب اٹھاتا ہے اور وہ اس کے متعدد ٹکڑے کرتا ہے یا اس میں سوراخ کر دیتا ہے یا داغ لگا دیتا ہے تاکہ وہ اس حیلہ کے ضمن میں آجائے تو ان صورتوں میں کپڑے کی قیمت یقیناً کم ہو جائے گی جس کی وجہ سے حد نصاب سے کم ہوگا۔ لیکن اس پر حد کیوں نہ ہوگی؟

قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ آخر اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جرائم پیشہ لوگوں کی جان بخشی کروائی جائے جو کہ بنفس ایک کبیرہ جرم ہے اور دَلَّعَاوُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کا خلاف ہے! حالانکہ اس ضمن میں معروف کو یہ حقیقت مدنظر رکھنا چاہیے تھی کہ اس میں اعتبار سرقہ منہ کا کیا جانا چاہیے کہ مال کی ہلاکت میں نقصان یا عدم نقصان کا تعلق تو سرقہ منہ سے

ہوتا ہے سارق سے نہیں۔ جبکہ سارق کا تعلق صرف از کتاب جرم سے ہوتا ہے۔ یا کم از کم موصوف کو ان نغزشات سے مامون رہنے کے لیے ہلاکت کا یہ مفہوم متعین کرنا چاہیے تھا کہ جو مال ہلاک ہونے کے بعد نہ سارق کے لیے نفع بخش رہے نہ مسروق منہ کے استعمال کے قابل رہے۔ مثلاً انڈے وغیرہ یا اسی قسم کی آدر کوئی مائی وغیرہ چیز ہو جو ہلاکت کے بعد فریقین کے لیے مود مذہب نہ رہے؛ لیکن مال مسروق کے سارق کو فائدہ پہنچانے کی صورت میں تو انقطاع حد کا تصور تعطیل محدود کے مترادف معلوم ہوتا ہے!

قولہ: قطع الطريق کی مزا نافذ کرنے کے لیے فردی ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل شرط پائی جائیں۔  
۱۔ راہزن مسلح ہوں یاں صورت کہ راہزن کی کرنے وقت مسافران کے مقابلہ کی سکت نہ رکھتا ہو۔  
۲۔ اس جرم کا ارتکاب ایسے مقام پر ایسے وقت میں کیا گیا ہو کہ مسافر کی فریاد رسی عموماً ان حالات میں نہ کی جاسکتی ہو (دفعہ ۲۱)

اقول: ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی محض رائے زنی ہے جس میں دلائل کا کوئی وزن نہیں کیونکہ اولاً تو مسافر کے مسلح یا باسکت ہونے کی شرط لگانا ویسے ہی ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ زنا اس وقت متحقق ہوگا جب کہ عورت زیورات سے مزین بھی ہو۔ اور پھر ہر مسافر کا باسکت ہونا تو ویسے ہی ممکن نہیں جس کی بنا پر قاضی صاحب کو چاہیے کہ وہ ان تکلفات سے محفوظ رہنے کے لیے ویسے ہی حدود میں سے قطع الطريق کو خارج فرمادیں کہ

نہر ہے بانس نہ بیچے بانسری

یز قاضی صاحب نے خود جو بواسطہ ہدایہ قطع الطريق کی جو تعریف کی ہے وہ اگرچہ دوسری کتب سے ملتی جلتی ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط نہیں کہ مقطوع منہ کا باسکت ہو نہ فردی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کا سانی، حنفی نے قطع الطريق میں اسے مسقط حد قرار نہیں دیا۔ جب کہ انھوں نے باقی تمام ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو کہ سرقہ میں استقاط حد کے لیے بیان کیے جاتے ہیں بالخصوص جبکہ اس کی نوعیت سرقہ سے کہیں سخت ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے بھی واضح ہے اور تقریباً یہی نوعیت مسافر کی فریاد رسی کی ہے جیسا کہ خود قاضی صاحب کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے۔

قولہ: راہزن اگر آپس میں قطع الطريق کریں تو ان پر حد قطع الطريق نافذ نہ ہوگی (دفعہ ۲۱ شرط ۱)  
اقول: قاضی صاحب کا یہ فیصلہ بھی کسی طرح عجوبہ روزگار سے کم نہیں۔ کاش کہ قاضی صاحب اس کی تشریح بھی فرمادیتے تاکہ ہمیں معلوم ہو سکتا کہ کس کا فاسدہ اور حکمت کیا ہے کہس نص صریح پر اس کی

بنیاد دینے لیکن میناق و میناق سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کسی اور طرف چلے جب کہ یہ بات واضح ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرنے کی نیت سے جاتا ہے لیکن راستے میں وہی شخص یا کوئی اور اسے قتل کر دے تو مقتول کے قاتل پر حد جاری ہوگی کیا قاضی صاحب اس قاتل کو بھی بری کرنے کی جسارت فرمائیں گے؟

ببینہ یہی نوعیت اس واردات کی ہے کہ ان کا آپس میں ٹکراؤ ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس سے مجرموں کے جرم میں تخفیف نہیں ہو سکتی اگر یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جائے کہ فریق ثانی بھی قاطع الطریق ہی تھا تو اسے تعزیر و توہین ہو سکتی ہے لیکن اصل مجرم سے حد کو ساقط کرنا کسی طرح بھی درست نہیں نہ شرعی طور پر نہ اخلاقی اعتبار سے! تاہم کو یاد ہوگا کہ قاضی صاحب اس سے پہلے یہ بھی فرما چکے ہیں کہ چوری شدہ مال کی چوری سرقہ مقصور نہیں ہوگی اور سارق سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ان فقہی موثر گائیوں پر ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

پہنچے گا کجا نہ ہم ————— دل بند داغدار خد

قولہ: اگر عورت بھی قطع الطریق کے جرم کی مرتکب ہو تو اس کو سولی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ باقی سزائیں دی جائیں گی۔ (دفعہ ۲۳ سزا، ترجمان القرآن اپریل ۱۹۷۶ء)

اقول: ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ قاضی صاحب نے اس کی بنیاد کس حدیث یا اصل کو بنا یا ہے؟ اور جب درخت (قاضی صاحب جس کا ترجمہ فرما رہے ہیں) کی طرف رجوع کیا گیا تو وہاں بھی لا نہ ہا لا تَصْلُبُ کے علاوہ کچھ نہ ملا حالانکہ یہ مسئلہ حدود اللہ کا ہے جس میں ترمیم و نسخ کا حق یقیناً کسی کو حاصل نہیں اور یہ ایک ہم مشکہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے احکام میں الگ کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں یقیناً بڑی احتیاط کی ضرورت ہے جس کا قاضی صاحب مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے ہیں جبکہ ایک طرف قاضی صاحب فقہ حنفی کے حوالہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ اگر قطع الطریق میں عورت بھی ہو تو تمام سے حد ساقط ہو جائے گی تو نہ معلوم اس عورت سے فقہ حنفی یا قاضی صاحب کی کون سی عداوت ہے کہ علی الاطلاق صنفِ نازک کا لحاظ نہ رکھا گیا بلکہ سولی کے علاوہ تمام حدود کے اجرا کا فتویٰ صادر فرما دیا۔

اور اگر اس سلسلہ میں تقاضا ہائے صنفِ نازک کی آڑ لی جائے تو اس کو صنفِ نازک بھی باحسن طریق انجام دے سکتی ہے اور جرم کے واقعات بھی ایسی ہر صورت کی تردید کے لیے کافی ہیں۔



سے ہم قارئین کو محروم رکھنا فقہ حنفی سے زیادتی خیال کرتے ہیں لہذا اسے بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں کہ وہ بھی محفوظ ہوں چنانچہ علامہ کا سانی حنفی فرماتے ہیں۔

وجه الروایۃ المشہورۃ ان رکن السرقة وهو الخروج على المارۃ على وجه المحاربة والمغالبة لا يتحقق من النسماء عادة لوقۃ قلوبہن وضعف بنیتہن فلا یکن من اهل العرب (المبدائع والصنائع ص ۲۸۹)

شاید موصوف چھٹی صدی میں ہونے کی وجہ سے اس بات سے نا آشنا تھے کہ آج تو عورتوں کی فوریس میں اور نبی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عورتیں اتنی دلیر تھیں کہ افواج کے ہمراہ ہوتیں اور بے ادب مردوں سے بھی زیادہ دلیری کا مظاہرہ کرتیں۔ لہذا اعلیٰ الاطلاق عورتوں کے متعلق یہ مفروضہ قائم کرنا بالخصوص آج کی دنیا میں درحقیقت مذہب حنفی کی خاطر حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ جبکہ قاضی صاحب کو معلوم ہوا چاہیے کہ یہ دور عورتوں کے حقوق کا دور ہے۔ مزید برآں تعجب اس بات پر ہے کہ علامہ کا سانی عورت کو سرقہ کے ضمن میں مانع قرار نہیں دیتے یعنی اس وقت عورت دلیر ہوتی ہے؟ یا پھر بزدل بھی چوری کر سکتا ہے؟ پھر اس بات پر پردہ پوشی بھی وقت اور اسلام کی ترجمانی نہیں کہ اگر عورت عورتوں پر قطع طریق کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ نیز علامہ کا سانی خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ

وجہ الفرق لہ ان امتناع الوجوب علی المرأة لیس لعدم الاہلیۃ لانہا من اهل التکلیف (المبدائع ص ۲۸۹)

اب نہ معلوم اہلیت کے باوجود اس سے اس فعل کا صدور کیونکر ناممکن ہے جبکہ حمایت باللہ والرسول اور رسمی فساد فی الارض کا صدور عورت سے عین ممکن ہے۔ اس کے بعد ہم اس بحث کو علامہ ابن عابدین حنفی کے اس پر ختم کرتے ہیں جو یقیناً اس سلسلہ میں فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے آپ فرماتے ہیں:

ان المرأة کالصبی وهو ضعیف الوجد مع مصاومته لا یتلاق القران فالحجب ممن عدل عن ظاہر الروایۃ کصاحب الدرایۃ والتجنیس والفتاویٰ الکبیری وغیرہ الخ (ص ۲۸۹) بہر کیف ہمیں تو افسوس اور تعجب اس بات پر ہے کہ یارِ درگوں نے ملکِ امام اور غریبی حجت کے پیش نظر قرآن وحدیث کی مقرر کردہ حدود میں ترمیم و تنسیخ کے عملِ بجا کی کو کس دیو دلیری اور ہمت دھرمی سے جاری رکھا اور رکھا ہوا ہے۔ والی اللہ المشتکی



تنبیہ پہلی دونوں عبارتوں سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ علامہ کا سانی نے عدم اتیانہ کے قائلین کی بات کو ظاہر الروایۃ کہا ہے جبکہ علامہ ابن الہمام وغیرہ نے اہل تفریق کی بات کو ظاہر الروایۃ کہا ہے اب یہ اصطلاحی گتھی اخلاف ہی کو سلجھانا ہوگی کہ کون سا قول ظاہر الروایۃ ہے؟ لیکن ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ ردالمحتار میں موصوف یوں رقم طراز ہیں کہ:

(قولہ ظاہر الروایۃ) کذا فی عین البیضاء و هو اختیار الطحاوی خلافاً للکحوی۔

اس کے بعد ابن عابدین فرماتے ہیں کہ۔

قولہ هو المختار قال فی الشرع بلائیة هذا غیر ظاہر الروایۃ ... وهو کذا لک مبنی خلاف ظاہر الروایۃ (ردالمختار ص ۱۱۷)

اس کے بعد ان کا اپنا عجیب ریا کرکس ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ:

قلت فکذا ینبغی للمشارح عدم ذکر هذین النزوعین لمخالفتہما لما مشی علیہ المصنف من ظاہر الروایۃ (ردالمختار ص ۱۱۷)

کاش کہ قاضی صاحب بھی اس اختلاف کو سمجھتے اور اس فرخ کو پس پردہ ہی رہنے دیتے کہ فقہ حنفی کی عزت و عافیت ہی اسی میں ہے۔ بہر حال اخلاف کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کونسی بات ظاہر الروایۃ ہے۔ قولہ: اگر اس نے مال نصاب سترقہ سے کم لیا ہو اور ساتھ قتل بھی قتل کیا ہو تو مجرم کو بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ (دفعہ ۲۲۔ منرا ۵)

اقول: بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص قتل نہیں کرتا تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی گویا کہ یہ صورت محاربت اور فساد فی الارض کی مسدق نہیں کہ اس پر منرا قصاص کی بجائے حد کے طور پر جاری کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب نے دفعہ ۲۲ کی ابتداء میں لکھا ہے کہ آخری دو منرا (۵۔ ۶) کا شمار حد میں نہیں کیا جائے گا۔ یعنی خواہ اس کا جرم کتنا گھناؤنا یا بالکل اہل ہوا سے قتل کی منرا نہیں دی جاسکے گی۔ جیسا کہ قاضی صاحب کی بیان کردہ منرا سے معلوم ہوتا ہے اور یہاں بھی نصاب سترقہ کی قید لگا کر درحقیقت ایسے مفیدین کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جس کے قلوب و اذان میں لوگوں کے اموال و اعراض کا کوئی مقام و احترام نہیں ہوتا جبکہ فساد فی الارض کا تحقق نصاب سترقہ سے کم میں بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود قاضی صاحب کی تشریحات سے بھی مترشح ہوتا ہے اور تعجب ہے کہ یہاں بھی سترقہ کی طرح کہا گیا ہے کہ اگر ہر ایک کے حصہ میں دس درہم نہ آئیں تو کسی پر حد نہ ہوگی (البدائع ص ۲۸۹) جس کا مطلب یہ ہوا کہ دس ڈاکو اگر ننانوے درہم بٹھیا لیں تو کسی پر حد نہیں ہوگی حالانکہ

سترق کی طرح محاربت میں مال کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ علامہ قرطبیؒ ابن خوینہ منداد سے نقل کیا ہے کہ۔

”ولایساعی المال الذی یاخذہ المحارب نصابا لکھا یراعی فی السارق (قرطبی ص ۱۵۲)  
امیر ہی بات امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

لیس حد المحاربین مثل حد السارق والمحارب اذا اخذ المال قليلا او كثيرا فهو سواد (مدونہ ص ۲۶)  
یہ بات علامہ قرطبیؒ نے امام مالکؒ سے اپنے الفاظ میں کہی ہے اور اس کو صحیح مسلک قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ نصاب سترقہ کی تعیین دربارع دنیا م تو کی ہے لیکن محاربت کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا چنانچہ خواہ ایک دانہ ہی کیوں نہ ہو اس پر بھی محاربت کا حکم جاری ہوگا۔ چنانچہ ان کے الفاظ میں۔

وقال مالك يحكم عليه بحکم المحارب وهو الصحيح فان الله تعالى وقت على لسان نبيه  
عليه الصلوٰۃ والسلام القطع فی السرقة فی ربع دینار وسم یوقت فی الحرابة شیئا بل ذکر جزء المحارب  
فاقتضى ذلك توفية الجنائهم على المحاربة عن حبة..... وكيف یصرح ان یقاس المحارب  
على السارق الخ (تفسیر قرطبی ص ۱۵۲)

غرضیکہ مال کثیر ہو یا قلیل اور نہ بھی ہو تو صرف ڈرانے دھمکانے اور ضرب و تشدد سے بھی  
قطع الطریق کا تحقق ہو جاتا ہے۔ بنا بریں دس درہم کی قید لگانا قرآن وحدیث پر بے جا زیادتی  
واضافہ کے مترادف ہے اور مشرّع لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا كُنْتُمْ مِا ذَنْ بِهِ اللّٰهُ كَامِصْدَاقِ ہے۔  
قولہ: اس لیے فقہاء نے اس سزا کا سستی اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر  
مؤاخذہ کرے۔ (دفعہ ۱۸ ص ۸۲)

اقول: اس جگہ بھی اسلحہ کی قید کسی نص پر مبنی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح تحقق قطع الطریق کے  
لیے تعداد قطع کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح قطع کی تشبیت ونوعیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو مسلح  
ہوں یا نہ۔ حکم میں یکساں ہوں گے کیونکہ اس کا تحقق اسلحہ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علامہ  
کاسانی حنفی رقمطراز ہیں کہ:

سواء كان القطع بسلاح او غيره من العصا والحجوة والخشب ونحوها لان القطع  
الطريق يحصل بكل من ذلك (البدائع والصنائع ص ۲۸۳)

خیال رہے کہ تافہی صاحب نے دفعہ ۲ کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر قتل اس نے آکر خارج

یعنی لوہے کے ہتھیار سے کیا ہو تو مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کا حق ہے ورنہ نہیں۔ ہم اس بات کی سطحیت اور مبنی بر جہالت ہونے سے قطع نظر یہ کہتے ہیں کہ گویا مسلح سے ان کی مراد لوہے کا اسلحہ ہے حالانکہ قتل وغیرہ بتحقق دوسری چیزوں سے بھی ہو سکتا ہے جبکہ قاضی صاحب نے آگے چل کر تصریح کی ہے لیکن نامعلوم اس کے باوجود قصاص و دیت کی تفریق کسی نص مریح یا اصل پر مبنی ہے۔

اخلاف نے سلاح سے بڑتلوار وغیرہ مراد لی ہے ان کی بنیاد ان احادیث پر معلوم ہوتی ہے کہ:

۱- عن ابن الزبیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من شہر سیفہ ثم وضع قدمہ

۲ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من حمل علينا السلاح فليس منا رخی بن خرم ج ۳۰۴

لیکن حافظ ابن خرم ان آثار کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہر

فهذا كله حق وأما صراح لا يضرها إيقاف من أوقفها إلا أنه لا جنة فيها لمن سـ  
والمحارب الا من حارب بسلاح لان رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما ذكر في هذين الاثرين  
من وضع سيفه وشهر سلاحه فقط وسكت عما عدا ذلك فيهما ولم يقل عليه السلاحتان لا  
محارب الا من هذه صنفه (مجلی ص ۳۱۱)

اس کے بعد علامہ موصوف نے دوسرے فریق کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

فصح ان كل حرايسة بسلاح او بلا سلاح سواء..... ونحن نشهد بشهادة الله تعالى  
ان الله سبحانه لو اذنان ليخص بعض هذه الوجهة لما عقل شيئاً من ذلك ولا نسيه ولا  
اغتنى بتعمد ترك ذكره حتى يبينه لنا غيره بالتكهن والظن الكاذب -  
(مجلی ابن خرم ص ۳۱۱)

بہر حال محمولہ بالا عباراتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی تفصیص نہیں فرمائی اور نہ ہی محاربہ کو "سلاح" کے ساتھ قید کیا ہے اور سلاح کو لوہے کے ساتھ خاص کرنا اسی طرح ہے کہ کوئی شخص "سلاح" کا اطلاق صرف تلوار پر ہی کرے۔ نیز یہ لغت سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہو گا۔ جبکہ اہل لغت نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ "السلاح" ہر اس آکر کو کہتے ہیں جو لڑائی میں استعمال ہو۔ چنانچہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ "السلاح اسم جامع لألوان الحرب" علامہ زبیدی تاج العروس میں رقم طراز ہیں کہ "وفي المصباح ما يقاتل به في الحرب ويبدأ به"

صاحب منہج لکھتے ہیں کہ اسم جامع لآلات المحب للقتال بذکر دیونہ بنا بریں سلاح کی تعین و تعیین اصولی نقطہ نظر سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے دفعہ ۲۵ کے تحت انہی روایتی جیلہ ساز یوں کا حال بچھایا ہے جن کا ذکر عمر شریف کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ یہ تمام فقہ حنفی کی کرسند سازیاں ان لوگوں کی حوصلہ شکنی کے لیے ہیں جن کا مقصد جرم کے ذریعہ خدا کی زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔ شاید فقہ حنفی ان لوگوں کی وکالت میں اس وجہ سے پیش پیش ہے کہ اس طرح اسے عروج و شہرت نصیب ہوگی کہ وہ اپنے کام میں مشغول رہیں اور ہماری اپنے کام کو جاری رکھنے کی پالیسی کا مایاب ہو جائے۔ چنانچہ قاضی صاحب سقوط حد کی صورتیں بیان کرتے ہوئے تحریر فرما رہے ہیں کہ:

۱۔ مجرم گرفتاری سے قبل رہنمائی سے توبہ کرے۔

۲۔ مستغنیث یہ کہہ دے کہ ملزم کا اقرار جھوٹا ہے۔

۳۔ اقرار جرم کرنے والا اقرار سے رجوع کرے۔

۴۔ مستغنیث گواہوں کو جھوٹا قرار دے۔

۵۔ ملزم مال کا مالک بن جائے۔

یاد رہے اخلاف نے سقوط حد کی ایک صورت یہ بھی پیش کی ہے کہ اگر ڈاکوؤں کی جماعت میں عورت یا کوئی مرنوع القلم ہو تو کسی پر بھی حد نہیں ہوگی اسی قسم کی ایک شق آپ پہلی اقسام میں پڑھ چکے ہیں۔ ابنہ ہر آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ کس حد تک منشا شریعت ہے اور کہاں تک انہیں تحفظ مال میں داخل قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن نہ معلوم حدایت کو روایت پر ترجیح دینے والوں کا آگے ان نظریات کی اشاعت میں کیوں اتنی دلچسپی رکھتا ہے جب کہ یہ تمام صورتیں اور دیگر جزئیات مراسم و روایت محمدی کے خلاف ہیں۔ شاید ان کے ہاں معیار و روایت مودودی ہو، اور کیا ہی "خدا کی زمین پر خدا کا قانون" ہے؟

قولہ: حد کے ساتھ ہونے کے بعد قصاص اور مال کی ادائیگی کا مطالبہ صرف جرم کے ترکیب سے ہوگا اس کے مددگار (اعانت کرنے والے) سے نہ ہوگا۔ (دفعہ ۲۶ جزع)

اقول: نہ معلوم قاضی صاحب کے ہاں سقوط حد کے بعد مجرموں کی تفریق کس فارمولے پر مبنی ہے سالک سقوط حد کے بعد قصاص یا مال کا مطالبہ بے معنی معلوم ہوتا ہے یعنی اگر قصاص وغیرہ ہے تو سقوط حد کیا؟ اگر سقوط حد ہے تو قصاص کا مطالبہ کیوں؟ اور ہمارے اس بحث کو اگر دفعہ ۲۳

سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام کچھ محض اُن ہُمُ اَلَا یَعُوْذُوْنَ کا مصداق ہے۔

حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ اگر قصاص یا مال کا مطالبہ ہو سکتا ہے تو پھر تمام شر کا مدینے مساوی کیا جائے جیسا کہ اجراء حد میں وہ مساوی مقام رکھتے ہیں جب کہ قاضی صاحب خود بھی لکھتے ہیں کہ ”بلکہ یہ برہم فاکوؤں کی جماعت میں سے ایک سے بھی صادر ہو گیا ہو تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی (ص ۸۶) اب اسے تضاد کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا ورنہ یہ کہنا چڑے گا کہ یہ مدعا کی ناحق اعانت اور حوصلہ افزائی ہے اور ترکیب پر ظلم و زیادتی — اور کیا باقی تمام دودھ پینے والے مجنوں ہیں؟“ (مسل)

عبدالرحمن عاجز مالیر کوٹلوی

## آثار بھی رہیں گے نہ تیرے مزار کے

ہم جا رہے ہیں بازاری اعمال ہمارے  
آثار ہیں یہ قدر سب پروردگار کے  
پیچھے لگی ہوئی ہے خزان بھی ہمارے  
دیکھا ہے جس نے جیب بھی خدا کو پکار کے  
چرچے ہیں شہر شہر مرے شہر یار کے  
بیٹھے ہیں آج سادھوؤں کا روپ دھار کے  
خطرات جن کے دل میں ہیں روزِ شمار کے  
کیسے سکوں انھیں ہو بجز اقتدار کے  
رکھا تھا جن کو خانہ دل میں اُتار کے  
آثار بھی رہیں گے نہ تیرے مزار کے

دورِ زلگستانِ دہر میں گزار کے  
ارضِ دساو دشت و گلستانِ مہر و ماہ  
گل سکا رہے ہیں غدا دل میں نغمہ سنج  
پایا ہے اُس نے اپنی رگ جاں بھی تریب  
نام اُن کا گونجتا ہے اذانوں میں رات دن  
کل تک بنے ہوئے تھے درندے جو بد شرت  
وقف الم ہے ان کا ہر اک لمحہ حیات  
جن کی غذا ہے روح بھی احساسِ اقتدار  
آتی نہیں صدا بھی کوئی اُن کی قبر سے  
مٹ جائے گا تو صفحہ ہستی سے اس طرح

عاجز زمیں کی گود میں جانا ہے ایک دن  
پشتِ زمیں پہ چل نہ تو سینہ ابھار کے





# ہجری تقویم (۱)

## خصوصیات

سن ہجری قمری ماہ و سال سے تعلق رکھتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے سال سے شمار ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ قمری مہینہ کے ایام میں تبدیلی ناممکن ہے۔ یہ مہینہ یا تو ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا۔ گویا مہینہ کے ایام میں کم سے کم تفاوت ہے۔ ۲۹ دن کے مہینہ کو کسی بھی وضعی یا اختراعی طریقہ سے ۳۰ دن کا نہیں بنایا جاسکتا۔ نہ ۳۰ دن والے مہینہ کی ۲۹ دن کے مہینہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ رویت ہلال کا فرق تو محض مقامی فرق ہوتا ہے جس کا عموماً دوسرے ہی دن پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ اگلے ماہ قمری تقویم خود بخود درست ہو جائے گی۔

قمری سال ۱۲ ماہ کا ہوتا ہے اور یہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ۱۲ ہی ماہ کا چلا آتا ہے۔ بقول باری تعالیٰ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اَشْنَعَشْرَ شَهْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ (۲۱)

”بلاشبہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قوانین قدرت کے مطابق اللہ کے ہاں (سال کے) مہینے کی کل تعداد بارہ ہے۔“

یہ سال نہ تو گیارہ یا دس ماہ کا ہو سکتا ہے اور نہ تیرو یا چودہ ماہ کا۔ اور جن لوگوں نے دوسرے ممالک کی دیکھا دیکھی قمری سال کے مہینوں میں پیوند کاری کی کوشش بھی کی تو ان کی یہ کوشش عام قبولیت حاصل نہ کر سکی۔

قمری سال شمسی سال سے ۱۰ دن ۲ گھنٹے چھوٹا ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک شمسی سال میں ۱۱ قمری مہینے ہوتے ہیں۔ ۱۱ کی کسر چونکہ نصف سے کم ہے۔ لہذا اگر شمسی سال کی رعایت ملحوظ

رکھی بھی جائے تو عقل عامہ کی مناسبت سے قمری سال کے ۱۲ ہی ماہ ہونے چاہئیں جبکہ شمسی سال مہینوں کی مقررہ تعداد سے آزاد ہو سکتا ہے۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ اہل عرب نے بھی دنیا کی دیکھا دیکھی قمری سال کو دنیوی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے شمسی سال سے مطابق کرنے کی کوشش کرنا شروع کر دی تھی اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے اضافی دنوں یا مہینوں کی پیوندکاری (کبیسہ، لوند یا لیپ) کا طریقہ اپنایا تھا۔ اسی طرح اللہ کے شعائر خصوصاً حج کے ایام میں گڑبڑ پیدا کر دی گئی۔ دو سال تو حج فی الواقع ماہ ذی الحجہ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ پھر ۲ سال ماہ محرم میں پھر دو سال صفر میں پھر ۲ سال ربیع الاول میں۔ علیٰ ہذا القیاس ۳۰ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد پھر حج ماہ ذی الحجہ میں واقع ہو جاتا اس طرح ایک سال کا عرصہ گم کر دیا جاتا تھا یا ۳۰ قمری سالوں میں ۲۹ بار حج ادا کیا جاتا اور یہ ترکیب محض اس لیے اختیار کی گئی کہ حج کا وقت ایک ہی موسم میں آیا کرے۔

پھر یہ گڑبڑ صرف حج تک ہی محدود نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حرمت کے چار مہینے قرار دیے گئے تھے۔ ان مہینوں کے متعلق اہل عرب کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ان مہینوں میں نہ تو آپس میں جدال و قتال کریں گے نہ کسی تاجر یا راہ گیر کو لوٹ کھسوٹ سے پریشان کریں گے۔ یہ مہینے رجب، ذی القعدہ، ذی الحجۃ اور محرم الحرام تھے۔ ان میں تین اکٹھے مہینے حج کے چار اہمیتان سفر کے لیے تجویز کیے گئے تھے۔ چونکہ یہ ایک پسندیدہ دستور تھا۔ لہذا اسلام نے اسے بحال رکھا۔ کبیسہ کے طریق کی وجہ سے ان حرمت والے مہینوں میں بھی تقویم و تاریخ اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی تھی۔ اور قلامبر کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ اعلان حج کے ساتھ ان مہینوں کا بھی اعلان کیا کرے کہ آئندہ سال کون کون سے مہینے حرمت والے ہوں گے۔ اس تقویم و تاریخ کو اہل عرب قسری کہتے تھے۔ اسلام نے اس مذموم فعل کو زمانہ کفر کی زیادتی قرار دے کر اس سے منع فرمادیا۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّمَا النَّبِيُّ دِيَا۟ةٌۢ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهٖ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّيُؤْطُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيَحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زَيْنَ كُنْہُمْ سَوَاعِدًا لِّہُمْ (۲۱)

”امن کے مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر لینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ اس سے کافر لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک سال تو انہیں حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدانے مقرر کیے ہیں، گنتی پوری کر لیں اور جو خدا نے منع کیا ہے ان کو جائز نہ کر لیں۔ ان کے برے

اعمال انھیں بھلے دکھائی دیتے ہیں۔

اتفاق کی بات کہ حجۃ الوداع (سنہ) فی الواقع ذی الحجہ کے مہینہ میں واقع ہوا۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس کے بعد کعبہ اور نسی کا طریق کار حرام قرار پایا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا گیا اور قمری تقویم سے دوغلی یا بیسی ختم کر کے اسے صحیح فطری خطوط پر مرتب کر دیا گیا۔

**سنہ ہجری کی ابتدا**۔ سنہ ہجری کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی الفاروقی میں یوں رقم طراز ہیں:-

”اسلام میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی، جس پر مرف شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ؟ اسی وقت مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور ہجری تقویم کے مختلف پہلو زیر بحث آئے جن میں سے ایک بنیادی پہلو یہ تھا کہ کون سے واقعہ سے سنہ کا آغاز ہو۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبویؐ کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضور اکرمؐ نے ۸ ربیع الاول کو ہجرت فرمائی تھی۔ چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا دو مہینے ۸ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا گیا۔

سنہ ہجری کی ابتدا کے متعلق تاجی سلیمان منصور پوری صاحب مدظلہ العالی علامہ شبلی نعمانی سے کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

”اسلام میں سنہ کا استعمال حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں جاری ہوا۔ جمعرات ۱۰ جمادی الثانی ۱۱ھ مطابق ۹ جولائی ۶۳۰ء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سنہ ہجری کا شمار واقعہ ہجرت سے کیا گیا اور حضرت عثمانؓ کے مشورہ سے محرم کو حسب دستور پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ مزید تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنین کے شمار کی ابتدا اس سے بھی بہت پہلے ہو چکی تھی (تاریخ ابن عساکر جلد ۱ رسالہ تاریخ لدیوطی بحوالہ تقویم تاریخی) اور یہی بات فرین تیباس معلوم ہوتی ہے کیونکہ عرب میں قمری کیلنڈر کا رواج تو پہلے سے ہی موجود تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہجرت کا واقعہ سب سے اہم واقعہ تھا۔ لہذا اس واقعہ سے سنین کے شمار کا دستور چل نکلا تھا۔ البتہ عہد فاروقی تک سرکاری مراسلات میں صحیح اور مکمل تاریخ کا اندراج لازمی نہ سمجھا جاتا تھا جسے ایک طرح کی دفتری خامی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور اس خامی کا علاج حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ بلا کر کر دیا تھا۔

## سنہ ہجری کی خصوصیات

اگر ہم سنہ ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں تو یہ سن بہت سی باتوں میں ممتاز نظر آتا ہے۔ مثلاً:-

۱- ترمیمات سے مبرا۔ سنہ ہجری کی بنیاد قمری تقویم پر ہے۔ اور قمری تقویم انسانی اختراعات سے بے نیاز اور بلند ہے۔ قمری تقویم میں اگر کبھی پیوند کاری کی گئی تو بھی اسے عام قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ سنہ ہجری کے آغاز سے لے کر آج تک اس میں نہ کوئی ترمیم ہوئی اور نہ اس قدر ہونے کا امکان ہے۔ کیونکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ لہذا اس سنہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شروع سے آج تک اپنی مجوزہ صورت پر چلا آتا ہے اور کسی دور میں بھی اس میں ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دنیا کے مروجہ سنین میں سے غالباً کسی میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔

۲- قدامت بلحاظ صحت و استعمال۔ اگرچہ بعض دوسرے سنین سنہ ہجری سے بہت پہلے کے معلوم ہوتے ہیں لیکن سب کی باقاعدہ تدوین سنہ ہجری کے نہایت بعد ہوئی ہے۔

۱- یکم محرم ۱۱۵۲ھ کو جولین کیلنڈر ۱۶ جولائی ۱۷۳۲ء تھا۔ مگر حقیقت میں یہ سنہ اپنے موجودہ طریق پر سنہ ہجری سے ۹۸۹ سال بعد وضع ہوا ہے۔ یہی سنہ آخر میں سن عیسوی میں تبدیل ہوا جس میں ۱۵۸۲ء تک متعدد بار ترمیم ہوتی رہی ہیں۔ اس آخری ترمیم کے بعد کا حال بھی ملاحظہ فرمائیے۔ انگلستان میں ۷ ستمبر ۱۵۸۲ء یوم چہار شنبہ (مطابق ۳ ذی القعدہ ۱۱۶۵ھ) کو ترمیم کے ذریعہ دوسرے روز یعنی ۴ ذی القعدہ ۱۱۶۵ھ کو ۱۴ ستمبر ۱۵۸۲ء نہادیا گیا۔

ب۔ بکری سمت یکم محرم الحرام ۱۱۶۵ھ کو ۲۶ ستمبر ۱۷۶۹ء تھا۔ جو بعد ازاں سن ہجری سے ۹۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر منہ داؤد اور پین بورخین کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سب سے پہلے ۹۷۸ء بکری میں یہ سنہ بکری کے نام سے مشہور ہوا۔ اس طرح بلحاظ تدوین یہ سنہ، سنہ ہجری سے ۲۲۵ سال بعد مکرور ہوا۔

ج۔ سن گندری سنہ ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری جنینوں کے حساب سے جاری رہا ہے اور اب اسے شمسی جنینوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

د۔ ابتداء دنیا بھر میں سنین کا حساب قمری تقویم کے حساب سے شروع ہوا تھا۔ جس کی تفصیل پہلے

لہ رحمتہ للعالمین جلد دوم ص ۲۵۲۔ قاضی سلیمان منصور پوری

گزر چکی ہے۔

۲۔ مساوات اور ہمہ گیری۔ اسلام دینِ فطرت ہے لہذا مصالح عامہ پر مبنی ہے۔ اسلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک خاصیت مساوات اور ہمہ گیری بھی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادا کرتے بدلتے موسم میں آیا کریں۔ اگر اسلام کبھی کے طریقہ کو گوارا کر لیتا تو رمضان کا مہینہ (ماہِ صیوم) کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ نصف دنیا کے مسلمان، جہاں موسم گرم اور دن بڑے ہوتے ہمیشہ تنگی اور سختی میں پڑ جاتے اور باقی نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے، ہمیشہ کے لیے آسانی میں رہتے۔ روزہ کے علاوہ سفر حج کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ پس مساوات و ہمہ گیری کا اقتضا ہی یہ تھا کہ اسلامی سال قمری حساب پر ہی ہو اور اسے کیسے جیسی انسانی اخراجات سے بھی پاک رکھا جائے۔

۳۔ دنیوی اغراض کے بجائے روحانی بنیادیں۔ (۱) ہجرت سے آغاز۔ دنیا ہجرت کے موجب سنین کی ابتدا پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ کوئی سن کسی بڑے آدمی کی یا بادشاہ کی پیدائش، وفات یا تاج پوشی سے شروع ہوتا ہے۔ یا پھر کسی ارضی یا سماوی عادت مثلاً زلزلہ۔ سیلاب یا طوفان کی تاریخ سے سنہ ہجری کو بھی یہ اعزاز و شرف حاصل ہے کہ اس کا آغاز دینِ اسلام کی سر بلندی کی خاطر اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا ہے، اپنے وطن کبھی کے لیے خیر باد کہنا ایک بہت بڑی قربانی ہے اور ایسے اوقات میں ہر شخص کا دل بھرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کے وقت مکہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور مجھے پیارا لگتا ہے۔ اگر میری قوم ظاہر ہے کہ ترک وطن پر انسان صرف اسی صورت میں آمادہ ہو سکتا ہے جب وہ انتہائی مجبور ہو یا کوئی عظیم مقصد اس کے پیش نظر ہو اور مسلمانوں کے لیے یہ غنیمت مقصد دینِ اسلام کی سر بلندی تھا۔ اور ہجرت کے واقعہ کو سنہ ہجری کی بنیاد قرار دینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہر نئے سال کے آغاز پر یہ پیغام یا درس ہے کہ انھیں اسلام کی سر بلندی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیے۔

(ب) رسم و رواج کی حوصلہ شکنی۔ کسی ملک یا علاقہ کے رسم و رواج عموماً موسم سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ سیلے ٹھیلے، تفریحی سفر، گرمیوں کی چھٹیاں، موسم بہار کی تقریبات، مختلف قسم کے محافل اور نذرانوں کی وصولیوں کے اوقات وغیرہ سب امور موسم سے وابستہ ہوتے ہیں اور موسموں کا تعلق شمسی سال سے ہے۔ لہذا جوں جوں مذہب سے لگاؤ کم ہوتا اور دنیا گمانگی بڑھتی جاتی ہے۔ شمسی سال کے ساتھ لگاؤ بڑھ



جاتا ہے۔ اسی بنا پر بیشتر لوگوں نے شمسی سال کو اپنا یا۔ یا قمری سال میں پیوند کاری کر کے اسے شمسی سال کے مطابق ڈھال لیا۔

انتہایہ ہے کہ آج کل مزاروں کے مجاور اور منتطیں نے بھی زمانہ جاہلیت کے پر و ہنوں کی طرح عرسوں کی تاریخیں بھی شمسی سال — خواہ بکری ہو یا عیسوی — کے مطابق کر رکھی ہیں۔ عرسوں کا جواز یا عدم جواز بجا ئے خود ایک الگ مسئلہ ہے۔ سر درست ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایسی تقریباً بڑا خاص دینی اور مقدس سمجھی جاتی ہیں، میں سے بھی بھری تقدیم کو خارج کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات اسلامی اقدار کے منافی ہے۔ اسلام رسم و رواج کو، بشرطیکہ وہ جائز بھی ہوں، تازی جنتیت دیتا ہے۔ اس کا اولین مقصد احکامات و عبادات الہی اور شعائر اللہ کی صحیح طور پر اور متعینہ وقت پر تعمیل ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے قمری تقویم کو اختیار کیا جو اس کی روح کے عین مطابق ہے۔

(ج) ہفتہ کا آغاز جمعہ کے مبارک دن سے۔ اسلامی تقویم میں ہفتہ کا پہلا دن جمعہ قرار دیا گیا ہے۔ بحکم محرم الحرام ۱۱۰۰ھ کو بھی جمعہ تھا۔ جمعہ کو اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت اور ذکر کرنے کا دن قرار دیا گیا ہے۔ گو اس دن باقاعدہ تعطیل منانے کی پابندی نہیں تاہم جمعہ کے دن نہانے، دھونے، کپڑے بدھنا اور جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے تیاری کے خاص اہتمام پر زور دیا گیا ہے۔ غار جمعہ کے بعد کاروبار کرنے کی اجازت ہے۔ بالفاظ دیگر اس تقویم میں ہفتہ کی ابتدا اللہ کی یاد سے ہوتی ہے جبکہ عیسوی تقویم میں اتوار کا دن — جو ان لوگوں کی طہارت کے لیے مخصوص ہے۔ ہفتہ کا آخری دن ہے۔ یعنی جمعہ دن کام کرنے کے بعد جب انسان تھکا ماندہ ہو تو اللہ کی عبادت کی طرف بھی دھیان کرے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تجزہ عالمی کیلنڈر میں ہر سال اور اس کی ہر ماہی اتوار سے شروع کرنے تجویز پیش کی گئی ہے۔

(د) ہفتہ کے دنوں کے نام اور نجوم پرستی۔ اسلامی تقویم میں ہفتہ کے ایام کے ناموں میں شکر، انجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ ان ناموں کو نہ تو کسی مخصوص سیارے سے منسوب کیا گیا ہے اور نہ کسی دیوی دیوتا سے۔ جبکہ عیسوی اور کبھی تقویم میں ہفتہ کے دنوں کے نام دیوتاؤں کی دیوتاؤں اور سیاروں کی فرزندوں کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ جس کی تفصیلی پہلے گزر چکی ہے۔

اسلامی تقویم میں ہفتہ کے دنوں کے نام یہ ہیں۔

یوم الجوع یوم السبت یوم الاحد یوم الاثنين یوم الثلاثاء یوم الاربعاء یوم الخميس  
جمعہ ہفتہ پہلا دن دوسرا دن تیسرا دن چوتھا دن پانچواں دن

## بنی اسرائیل کے مذہبی لٹریچر

ہمارے عزیز دوست اور ناضل نوجوان جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر معروف اہل قلم اور اہل علم نوجوان ہیں، انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر کس طرح اس کا حق ادا کیا، تارین خود پڑھ کر اندازہ فرمائیں گے۔ ہم اس کے لیے موصوف کے مدد پر شکر گزار ہیں۔

تورات - متجددین کا خیال ہے کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے انبیاء بنی اسرائیل پر جو کتابیں نازل ہوئیں یہ ان رب کے مجموعے کا نام ہے، ان کا کہنا ہے کہ قرآن نے اس کو حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں بتایا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ باتیں محلی نظر ہیں۔ قرآن کریم نے تورات کا نام جس سیاق میں ذکر کیا ہے اس سے واضح طور پر تبلیغ ملتی ہے کہ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل شدہ صحیفوں کے مجموعے کا نام، مذہب احمد اور صحیح مسلم کی صحیح روایات سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب کا نام ہے، حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں حضرت آدم کے یہ الفاظ ہیں۔

قال آدم رنت موسی الذی کلمک اللہ واصطفاک برسالتہ وانزل علیک التورۃ

(مسند احمد) وکتب لک التورۃ بمیدۃ (مسلم عن ابی ہریرۃ)

سفر نمکونین، سفر خروج، سفر اجار، سفر العدد اور سفر الاستثناء کے مجموعے کو اسفار ربی اور قرآنی اصطلاح میں صحف موسیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہی صحف موسیٰ کو قرآن حکیم نے "تورات" کہا ہے، ان کے علاوہ جن کتب کو ملاکر تورات کہا جا رہا ہے، وہ تخلیص کہا جا رہا ہے، کیونکہ ان میں اور جو کتابیں ملا دی گئی ہیں ان کی حیثیت "حدیث (مدراش) فقہ اسرائیل (تاہود) تفسیر (ترگوم) یا مرانی اور مواظ (بنیم اور بنیم) کی ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک "بنیم اور بنیم" قابل اعتناء و کتب ہیں، دوسری نہیں۔ وجہ ظاہر ہے — اور اسلامی لٹریچر میں اسرائیلیات کا جتنا حصہ نظر آتا ہے تقریباً تقریباً وہ مدراش، ترگوم اور تاہود سے خود

تورات تور سے ماخوذ ہے جس کے معنی مختلف ہیں:

آگ لگانا، اَلَّذَا سَبَّحْتَ تُذَوِّنْ رِبَّیْ۔ واقعہ (۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور نبوت کے ظہور کے لیے جو بات پہلے دن سبب بنی، اس کی مناسبت سے آپ کو دی گئی کتاب کو تورات سے تعبیر کیا گیا ہو تو کچھ عجیب نہیں۔ آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

مَدَّ اَتْلَکَ حَدِیْثَ مُوسٰی ؑ وَاذْوَیْ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوا اِنِّیْ اَنْتُمْ نَارٌ تَلْعَنُیْ اِنْ یَّکْفُرُوْهُنَّ بِغَیْْرِ اَوْ اَحْدُ عَلٰی الشَّارِھِْدٰی ؕ فَلَمَّا اَنْشَا لُوْیْ یُّمُوْسٰی وَاِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاُخْلَعْ تَعْلِیْکَ اِنَّکَ بِاَنَّا وَاِنَّمَقْدَسَ طُوًی ؕ وَاَنَا اَخْتَرْتُکَ فَاَسْتَجِیْعَ لِمَا یُوْحٰی (پتا - طلع)

”بھلا تم کو (حضرت) موسیٰ کی حکایت بھی پہنچی ہے کہ جب ان کو (دور سے) آگ دکھائی دی تو انہوں نے اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ (ذرا) ٹھہرو، مجھ کو (ایک) آگ (سی) دکھائی دی ہے (میں) وہاں جاؤں تو عجیب نہیں اس (آگ) سے تمہارے لیے ایک چٹکاری لے آؤں یا آگ (کے) (الوہم) پر راہ کا پتہ معلوم کروں، پھر جب موسیٰ وہاں آئے تو ان کو فضا (سے) آواز آئی کہ موسیٰ (تو) ہم ہیں! تمہارا رب! تو اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈال (کیونکہ اس وقت تم طوی نام کی مقدس وادی میں ہو اور ہم نے تم کو پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا ہے، سو جو کچھ تم کو وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سن لو۔“

اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی وادی امین کی مقدس آگ کی مناسبت سے ان صحیفوں کو تورات

کہا گیا ہو جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے۔

دوسرے معنی سبغہ قاصد کے بھی آتے ہیں مگر ابن فارس نے اسے عمل نظر بتایا ہے۔

وَذَكَرَ ابْنُ دَرِمْدٍ کَلِمَةً لَّوَاعِضٌ عَنْهَا کَانَ اَحَنُّ : قَالَ : التَّوْرَةُ لِمُوسٰی بَيْنَ

الْقَوْمِ (مقائس اللغة)

اس کے دوسرے معنی شریعت و قانون کے بھی ہیں اور جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے تحریر فرمایا

ہے، ہدایت اور تعلیم کے بھی ہیں۔

ہماری خواہش ہے کہ فاضل موصوف اگر ارض المحدثہ اور ارض الہامیہ پر کوئی سلسلہ شروع کریں تو ایک قرض جواب تک علمائے اہل حدیث کے ذمے چلا کر ہا ہے، ادا ہو جائے، ذبحہ اماتہ

اور مذکار محمد تین میں جن جن مقامات کا ذکر آگیا ہے۔ ان کی جغرافیائی نشاندہی کر دی جائے۔  
اور بعد میں ان میں جو تفسیرات آئے یا ان کے اب جو نام مشہور ہوئے اگر ان کا ہی سراغ لگ سکے تو اور ہی خوب رہے۔

(عزیز زیدی)

**تاریخ یہود۔** یہودی اپنی تاریخ کا آغاز ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرتے ہیں۔ لیکن یہودی مذہب کے جو شکل ہمیں آج دکھائی دیتی ہے وہ غذا یا عریز کے دور میں متشکل ہوئی۔ ان دو شخصیتوں کے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی ہے جو اسرائیلیوں کو فرعون مصر کے پیچھے سے نکال کر مصلحین لے جانے کے لیے صحرائے سین میں لائے۔ یہاں انھیں اللہ تعالیٰ نے مقدس توراۃ عطا فرمائی جن کو سمجھنا اور جس پر عمل کرنا بنی اسرائیل کے ہر فرد کے لیے ضروری قرار پایا۔ یہودی تصور حیات کا منبع یہی تورات ہے جس کا ترجمہ عام طور پر قانون کیا جاتا ہے مگر زیادہ بہتر ترجمہ ہدایت یا تعلیم ہے۔  
تورات اور عہد نامہ عتیق و جدید۔ تورات کا تعلق براہ راست زندگی کے عملی مسائل سے تھا۔ جو حیات انسانی کے تقدضے بدلتے رہے اور انسانی معاشرہ ترقی کرتا گیا۔ شریعت یہود کے اطلاق اور نفاذ میں بھی توسیع ہوتی رہی اور شریعت موسوی ایک دواں چشمے کی طرح نئے نئے میدانوں سے ہو کر گزرتی رہی۔ یہودی علماء کے فتوؤں اور فیصلوں نے بھی شریعت میں مستقل مقام حاصل کر لیا۔ گویا شریعت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات تک ہی محدود نہ رہی بلکہ فتاویٰ، فیصلوں اور تشریحات کی بہت سی کتابوں پر پھیل گئی۔ جن کو آج عہد نامہ عتیق کہا جاتا ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انہائے بنی اسرائیل کی مذہبی کتب کو سچی علمائے بائبل (یعنی کتاب) کا نام دے کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے (۱) عہد نامہ عتیق یعنی وہ تمام کتب جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء پر نازل شدہ بتائی جاتی ہیں۔  
(۲) عہد نامہ جدید یعنی اناجیل اور بعد جن کے ساتھ (عیسائی) رسولوں کے اعمال۔ خطوط اور کاشفات بھی شامل ہیں۔ آج کی نشست میں ہمارا موضوع عہد نامہ عتیق تک محدود ہے۔

عہد نامہ عتیق میں کل ۳۹ کتابیں شامل ہیں۔ لیکن علمائے یہود نے ان میں ۲۴ یا ۲۵ کو مستند شمار کر کے باقی کو ترک کر دیا ہے اور مستند کتابوں کو تین سلسلوں میں تقسیم کر دیا ہے (۱) سلسلہ اول موسوم بہ تورات۔ اس میں پانچ اسفار یعنی پانچ کتابیں شامل ہیں (۱) تکوین (۲) خروج (۳) احوار (۴) اعداد (۵) تورات ثانی (۶) سلسلہ دوم موسوم بہ نپیتم ہے۔ اس سلسلہ میں یوشع۔ قضا، سموئیل اول۔ سموئیل دوم۔ یسعیاہ۔ یرمیاہ وغیرہ انبیاء کی کتابیں شامل ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے (۷) سلسلہ سوم موسوم بہ کیقیم۔

اس سلسلے میں زبور، اشال سلیمان، ایوب، دانیال، عزرا، نحیہ وغیرہ کی کتابیں ہیں جن میں نظمیں مناجات اور تفسیلات وغیرہ درج ہیں۔ ان کی تعداد سات ہے۔ اس طرح کل ۲۵ کتابیں ہو جاتی ہیں جنہیں سلسلہ میں سائڈ نے مندرجہ قبول عطا کی تھی۔ یہی کتابیں یہودیوں کی مقدس شمار ہوتی ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دیں احکام ملنے اور مذکورہ کتابوں کی باقاعدہ تدوین تک لکھی گئیں لیکن خود یہود نے انہیں مسترد کر دیا اور اب نسیا نسیا ہو چکی ہیں۔ اب ان کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ تاہم بعض دیگر کتب میں ان کے نام مل جاتے ہیں۔ جیسا کہ عہد نامہ عتیق کے یونانی ترجمے میں ۱۲ ایسی کتابوں کے نام ملتے ہیں جنہیں یہودی اپوگریف یعنی جعلی کتابیں کہتے ہیں۔ تدریج کتب - یہود کی ۲۵ مقدس مذہبی کتابوں کی تدوین کا زمانہ متعین کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ بخت نصر نے جب یروشلم فتح کیا تو اس کے کتب موسیٰ یعنی سلسلہ اول کو بھی تلف کر دیا تھا۔

تاہم ان کے احکام عہد یہودیوں کے ذہن میں موجود تھے۔ نصف صدی کی اسیرٹی بابل کے دوران یہود ان کتب کو دوبارہ صفحہ قرطاس پر منتقل نہ کر سکے۔ جب سائرس نے بابل فتح کر کے ان کی اسیرٹی ختم کی اور یہود کو واپس فلسطین جانے کی اجازت دے دی تو عذرانے اس اہم کام کی جانب توجہ مبذول کی اور اسفار یا کتب موسیٰ کو دوبارہ جمع کر دیا۔ یہ کام ۳۵، ۴۰ ق م کے لگ بھگ ہوا۔ انھوں نے ان پانچ کتابوں کو از سر نو جمع کر کے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلم بند کیا۔ اس اہم کام میں مدد دینے کے لیے انھوں نے یروشلم کے چند بڑے علماء کا تقرر بھی کیا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تفسیر تورات کے اصول مرتب کیے اور فقہی مسائل ترتیب دیے۔ انہی کے افراط سے تورات کا لفظ تمام البامی اور غیر البامی دینی نوکشتوں کے لیے بولا جانے لگا۔

دوسرے سلسلے کی تدوین نحیہ نے کی۔ یہ بھی عزرا کی طرح دربار ایران کی طرف سے یروشلم کے گورنر تھے اور بادشاہ کے مقرب تھے۔ آپ نے اس سلسلے کی کتابوں کو مع زبور داود و نیم کے نام سے جمع کیا۔

تیسرے سلسلے کی تدوین سائرس ق م کے لگ بھگ ہوئی۔ جب انٹونیس کی صورت میں یروشلم پر تباہی نازل ہوئی تو عزرا کی جمع کردہ تورات بھی اس غارت گری کی نذر ہو گئی۔ یہود امکائی نے جو اس دور ادبار میں تحریک مزاحمت کا قائد تھا اور جس کی قیادت میں یہود نے ایک نیم خود مختار حکومت بھی قائم کر لی تھی تورات کو دوبارہ جمع کروایا۔ اور اس میں تیسرے سلسلے یعنی کتب کا بھی اضافہ کر دیا۔ اس طرح کل تعداد چوبیس یا پچیس ہو گئی۔ لیکن اس مرحلے پر یہود میں مذہبی کتب کے متعلق اختلاف



رونا ہو گیا اور ان کے دو فرقے ہو گئے جس کی تفصیل یوں ہے۔

حواذات اور کتب یہود۔ یہودی قوم پہم حواذات کا شکار رہی ہے اور ہر حادثے کی ذرا ن کی مذہبی کتب پر پڑتی رہی ہے۔ ان حوادث کے باعث تورات اور صحف انبیاء کئی بار ضائع ہوئے لیکن ان کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ بالعمنی جاری رہا۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ بابل کی اسیری کے دور میں سبت کے دن علمائے یہود لوگوں کو جمع کر کے غم و اہم کے ساتھ یاد دہانیاں کرتے اور تورات کی آیات سے مجلس و عظ کو گرم کر کے شکستہ دلوں کی تسلی کا سامان کرتے۔ یہ رسم بابل سے واپسی کے بعد اور ہیکل سلیمان کی دوبارہ تعمیر کے بعد بھی نہ صرف جاری رہی بلکہ عزرائیل نے اسے باقاعدہ قانونی شکل دی۔ جس کی وجہ سے ابجا ایسی عمارات تعمیر ہوئیں جہاں اس قسم کی مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ ایسی عمارت کو کنیسہ کہتے تھے۔ ہر کنیسے میں تورات کی نقل ایک صندوق میں رکھی جاتی تھی جس کے سامنے ایک شمع روشن رہتی۔ ہفتہ میں تین دن اور بڑے کنیسوں میں ہر روز تین بار لوگ جمع ہوتے۔ اجمار یعنی سفریم پہلے تورات کی چند آیات کی تلاوت کرتے جو قدیم عبرانی زبان میں تھی۔ پھر آرامی زبان میں جو اسیری بابل کے دوران یہودی مادی اور علم بول چال کی زبان ہو گئی تھی ان کی تشریح کرتے۔ ان اجمار نے موسیٰ کی پانچوں کتابوں تورات کو ۵۵ ٹکڑوں یا منازل میں تقسیم کر رکھا تھا اور یہ التزام کیا جاتا تھا کہ ہر ہفتے ایک منزل کی تلاوت اور تشریح ہو جائے اور تین سال میں تورات کا ایک دور مکمل ہو جائے۔ جب ان تینوں نے تورات کی تلاوت حکم بند کر دی تو اجمار تورات کی بجائے دوسرے صحف انبیاء یعنی نبیم اور کتبیم کے ۵۵ ٹکڑے کر کے اپنی رسم نبھانے لگے۔ جب یہود امکا بنی نے دوبارہ آزادی حاصل کر لی تو تورات کی تلاوت بھی جاری ہو گئی لیکن اب یہودیوں میں دو فریق ہو گئے۔

(۱) صدوقی۔ جنہوں نے سلسلہ اول یعنی تورات کی پانچ کتب موسیٰ پر اکتفا کی اور باقی صحف انبیاء کو ہوزانہ تلاوت سے خارج کر دیا (۱۱) فریسی۔ جنہوں نے صحف انبیاء یعنی سلسلہ دوم و سوم کو بھی اصولین میں شامل کر لیا اور ان کی تلاوت بھی جاری رکھی۔ انہوں نے یہ روایت مشہور کر دی کہ موسیٰ پر وحی مکتوبی اور وحی لسانی یعنی دو قسم کی وحی نازل ہوئی تھی۔ وحی مکتوبی تو توراۃ کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن وحی لسانی اولاد باریوں کی وساطت سے سینہ بسینہ عذرائع پہنچی۔ جنہوں نے یہ وحی کنیسہ غلطی کے مجبور کو جن کی تعداد ۲۰۰ تھی سکھا دی۔ پھر ۲۵۰ برس تک یہ وحی ان مجبوروں کی اولاد کے سینوں میں محفوظ رہی۔ شمعون عادل (سلسلہ ق م) اس جماعت مقدسہ کا آخری نمبر تھا۔ اس نے یہ وحی سفریم (کاتبان وحی) کو سکھا دی۔ اور ان سے گروہ تنگم (علماء) نے سیکھ لی۔ اور بعد ازاں کتابی شکل میں

وجود میں آگئی۔ چونکہ یہ بھی موسیٰ کی وحی ہے اس لیے یہ بھی اتنی ہی مقدس و محترم ہے جس طرح موسیٰ کے سلسلہ اول کی پانچ کتابیں ہیں۔ اس روایت سے اجارا اور بیمنین کے اقوال کو وحی الہی کے ہم پلہ بنا دیا اور روایات و انساؤں کے انبار تکے اصل وحی الہی یعنی تورات دب کر رہ گئی۔ یہ روایات جن کی حیثیت فریسیوں کے نزدیک تورات کی تفسیر کی تھی یہود اور ربی کے ذریعے دوسری صدی عیسوی کے آخر میں مشنہ کے نام سے جمع ہوئیں۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ یہود کی مذہبی کتب کے مذکورہ تین سلسلوں کی تدوین سے پہلے بھی عملی ضروریات کے باعث قوانین کی ضرورت موجود تھی جسے پورا کرنے کے لیے بابل کے ایک ربی ہیل (HILLEL) نے ایک بورڈ بنایا جو بہت عرصہ تک کام کرتا رہا۔ بورڈ میں شامل لوگ یکے بعد دیگرے بدلتے رہے تاکہ دو صدی بعد ۲۱۶ء میں یہود اور ربی نے اس کام کو مکمل کیا اور اس مجموعہ قوانین کا مشنہ رکھا گیا جس کے معنی تکرار کے ہیں۔

**مشنہ** - مشنہ چھ حصوں میں منقسم تھی اور عبرانی زبان میں ۶۳ عنوانات کے تحت لکھی گئی تھی۔ ہر علاقے کے یہود نے اس کی اناریت کے پیش نظر اس کا خیر مقدم کیا۔ اور کئی صدیوں تک علماء اس کو قانونی بنیاد کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ اس کی تشریح و توضیح کے لیے اس پر لیکچر دیتے رہے۔ یہ تشریحی لیکچر آرامی زبان میں ریکارڈ ہوتے رہے اور جارا کے نام سے موسوم ہوئے جس کے معنی تکرار ہیں۔ جارا کی تدوین و ترتیب کا دور تیسری صدی عیسوی کے آغاز سے سمجھا جاتا ہے۔ پہلے تشریحی دور میں مشنہ کے قصے کہانیاں چھوڑ کر صرف احکام ہی کی تشریح و توضیح کی گئی اور باقاعدہ نبوی بھی کی گئی۔ مثلاً جارا کا پہلا باب زراعت کا ہے جس کے معنی بیج کے ہیں اور یہ زراعت اور کاشتکاری سے متعلق ہے۔ دوسرا باب - باب المواعظ ہے۔ جو تہواروں اور رسکوں کے متعلق ہے۔ تیسرے باب کا نام ناشیم (یعنی عزتیں) ہے جس میں شادی بیاہ اور جنسی تعلقات کے بارے میں احکام ہیں۔ چوتھا باب نیزا کین تاوان اور کفارے کے بارے میں ہے۔ پانچواں باب قودا ایشینین یعنی مقدس اشیاء کے بارے میں ہے۔ اس طرح کل ۶۱۳ ابواب ہیں یہ مجموعہ قوانین منقسم ہے۔

**تالمود** - جارا اور مشنہ مل کر تلمود کہلاتی ہیں۔ تلمود یہود کے مذہبی ادب کی وہی قسم ہے جسے ہم حدیث کہتے ہیں۔ بعض یہودی اس کی صحت پر شک کرتے ہیں۔ لیکن اکثر اس کو الہامی مانتے ہیں اور اسے شفوی روایات سمجھتے ہیں۔

تلمود دو جگہ مرتب ہوئی کیونکہ یہود اپنے مرکز سے کٹ کر پکھڑے ہوئے تھے اور مختلف حکومتوں کے زیر اقتدار زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا لہذا دو مختلف جگہوں پر

مختلف لوگوں نے مشن کی تفسیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا۔ ایک عراق میں ایرانی حکومت کے تحت، دوسرا فلسطین میں رومی حکومت کے تحت۔ اس لیے تلمود کی دو قسمیں ہو گئیں۔ تلمود بابلی (عراق) اور تلمود یروشلمی (فلسطینی) یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ہمارے ہاں مختلف فقہیں رائج ہیں تلمود کی یہ دونوں قسمیں آرامی زبان میں لکھی گئیں کیوں کہ یہی ان کی روزمرہ کی زبان تھی اور عبرانی سے ان کا رابطہ کٹ چکا تھا۔ فلسطینی تلمود نسبتاً آسان اور مختصر ہے۔ جس میں تادیخ جغرافیہ اور آثار قدیمہ سے متعلق بھی بہت سی معلومات ہیں۔ بابلی تلمود بہت طویل اور دقیق ہے۔ اول الذکر تلمود چوتھی صدی میں ختم ہو گئی۔ اس کے ۳۱ ابواب ہیں اور نامکمل رہ گئی ہے۔ بابلی تلمود ۴۹۹ء میں مکمل ہوئی اس کے موجودہ ابواب کی تعداد ۳۷ ہے۔ یہ اگر مکمل تھی تاہم مشن کے تمام ابواب کا احاطہ نہیں کرتی۔ پھر بھی ایسے دلائل موجود ہیں کہ تمام ابواب مکمل ہو گئے تھے اور بعد ازاں کچھ ضائع ہو گئے بابلی تلمود نے یہود کے مذہب۔ ان کی روزمرہ زندگی۔ ان کے طرز بیان اور ان کے طرز فکر پر نہایت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

دونوں تلمود مضامین کے لحاظ سے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک حصے کو ہلکہ کہتے ہیں یعنی فاصل احکام و شرائع۔ اس حصے میں ۶۱۳ اور دوسرا وہابی۔ ان کی جزئی تفصیل۔ عوام و حلال کی روشنگاریاں۔ صفا و کبریا کی باریکیاں بیان کی گئی ہیں۔ عوام کو راہ تعلید اور جہالت کے باطن ان اقوال و تشریحات کو خدا کا کلام سمجھ کر ان کی تقدیس و تحريم میں محو ہو گئے۔ اور اصل توراۃ کے مقابلہ میں گویا ایک اور شریعت قائم ہو گئی۔ قرآن نے اسی بات کو اتخذوا احبا وھم درھانھم اربابا من دون اللہ کہا ہے۔ تلمود کا دوسرا حصہ سجدہ کہلاتا ہے۔ جس میں روایات و سیرۃ اشرار و قصص وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں کہیں تو الہیات کے اسرار و رموز شامل ہیں اور کہیں خدا اور انبیاء کی جانب سے ہودہ افعال منسوب ہیں۔ کہیں ارواح خبیثہ کی خوش فعلیاں ہیں اور کہیں جادو۔ اس طرح یہ مذہب مسخ ہو کر مجموعہ اوہام بن گیا۔ تاہم اس بات سے قطع نظر کہ تلمود میں حقیقت کس قدر ہے اور باطل کس قدر۔ یہ چیز بہت اہم ہے کہ تلمود کو یہود کے دینی ادب میں بڑا ذوق مقام حاصل ہے۔ اس سے بنی اسرائیل کی تہذیب۔ تاریخ۔ ثقافت پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ ان کی قومی حکمت کا یہ خزانہ ضائع ہونے سے بچ گیا ہے۔

یہود کے دینی ادب کی ایک قسم کا نام مدراش ہے۔ سزوانے بہت دنوں تک لوگوں کے سامنے بائبل کی آیات و تشریح کا سلسلہ شروع کیے رکھا تھا جو مدراش کہلاتا ہے۔ پھر یہ

قسم بھی تلمود میں شامل کر دی گئی۔ تلمود کی تدوین کے بعد ہی ایک مدراش لکھی گئی جو ۱۲ صدی عیسوی میں رقی ثلثون نے مختصر بائبل کے نام سے لکھی تھی۔

مدراش - یہود کے دینی ادب کی ایک قسم کا نام تھا دی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہود کو دنیا بھر میں بکھیر دیا گیا تھا۔ یروشلم میں ان کا داخلہ تک ممنوع رہا۔ اس لیے بابل میں ان کے دو بڑے مذہبی مرکز بن گئے جن کے سربراہوں کو تمام یہودی دنیا میں سیادت حاصل تھی۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ ساری دنیا کے یہودی اپنے مذہبی مسائل حل کرنے کے لیے ان کی جانب رجوع کرتے تھے اور یہ عالم ان کے جواب میں فتوے جاری کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ رسم ختم ہو گئی۔ لیکن مذکورہ دور کے سوالات کے جوابات پر شتمل لٹریچر آج بھی محفوظ اور مردج ہے جسے *RESPONSA* کہتے ہیں۔

الوکر لفر - یہود کے مذہبی ادب کی ایک قسم کا نام ابوکر لفر یعنی پوشیدہ مکتوبات ہیں۔ عزرا کی نسبت مشہور ہے کہ بابل کی اسیری سے واپسی کے بعد جب اس نے توراۃ کو از سر نو تحریر کیا تو، مخفی خطوط بھی تحریر کیے جو اگرچہ عام طور پر رائج نہ تھے لیکن خواص کو ان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کتب یا خطوط کو یہودی اصطلاح میں سفریم جنوریم کہتے ہیں۔ جنوریم کے معنی قیمتی چیزوں کو محفوظ رکھنے کے ہیں۔ ان میں سے چودہ کتب موجودہ تلمود میں محفوظ ہیں۔ ان کتب کے بارے میں یہود میں شدید اختلافات ہیں اور ان کا ایک فرقہ ان کو جعلی کتب کا نام دیتا ہے۔

ترجمہ - دینی ادب کی ایک قسم کا نام ترجمہ ہے جس کے معنی مفصل ترجمہ کے ہیں۔ قدیم عبرانی زبان اسیری بابل کے زمانے میں مفقود ہو گئی تھی اور اس کی جگہ آرامی زبان نے لے لی تھی۔ عزرا کے زمانے میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ یہودیوں کے عبرانی زبان نہ سمجھنے کے باعث یہود کے علماء تورات کی اصل آیات کا آرامی میں ترجمہ سنایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ کنیلا میں تورات اس طرح پڑھی جانے لگی اور ان ترجموں نے متغفل حقیقت اختیار کر لی اور عہد مسیحی میں کتابوں کی شکل میں مرتب ہو گئے۔ ان کی تعداد دس کے قریب ہے۔ سب سے مشہور ترجمہ انگیلکس کا ہے جو موجودہ شکل میں تیسری صدی عیسوی کے آخر میں مرتب ہوا۔

عہد اسلام میں یہود نے حکایات، قصوں، افسانوں اور جادو کے کڑیوں کی دنیا سے نکلنے کی کوشش کی۔ انھیں محسوس ہوا کہ یہودی مذہب کو صاف ستھری شکل دینے کی ضرورت ہے تاکہ دور جدید میں وہ مذاق بن کر نہ رہ جائیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر یہود نے مختلف کتابیں لکھیں مثال



کے طور پر ۱۲ صدی عیسوی کے رقی شلمون نے مختصر تشریح بابل لکھی۔ اس صدی میں اندلس کے مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون نے قرطبہ میں یہودی اصولوں کو ارسطو کی زبان میں لکھا اور اس کا نام TISHNE TORAN رکھا۔ اس کتاب کے موجودہ یہودیت پر لازوال اثر چھوڑا ہے۔ ۱۵۶۵ء میں یوسف کیرون نے ایک مختصر اور جامع مجموعہ قوانین یہود مرتب کیا۔

قارئین محترم ان سطحوں تک ہم نے یہود کی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے مختلف ادوار میں جنم لینے والے ان کے دینی ادب پر اپنی معلومات کو قلم بند کیا ہے۔ اب آئیے آخر میں ان جو بات کا جائزہ لے لیں جن کے باعث موسیٰ کی تورات اور انبیاء بنی اسرائیل کے مقدس صحائف تحریف کی زد میں آکر اپنی اصلیت کھو بیٹھے ہیں۔

اسباب تحریف :- یہود کی اصل الہامی کتب میں تحریف کی سب سے بڑی اور پہلی وجہ وہ ہولناک حوادث ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد پے در پے یہود کو پیش آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے فوراً بعد ان کی بدبختی کا آغاز ہوا کہ اسباط بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ گیا اور ان کی دو جدا گانہ اور باہم مخالف حکومتیں قائم ہو گئیں۔ دوا سباط یعنی یہود اور بنیامین نے رجھام بن سلیمان کی اطاعت کی اور دس اسباط الگ ہو کر ساریہ کو دار الحکومت بنا کر الگ مملکت قائم کر لی تھی۔ جہاں یہود وہ (خدا) کی عبادت کے ساتھ انھوں نے سونے کی کچھڑے کی عبادت بھی شروع کر دی۔ اس شرک اور سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲۰ ق م میں اسیر بادلوں نے اس سلطنت کو تباہ کر دیا اور دس اسباط کو قید کر کے نینوالے گئے۔ اس طرح یہ اسباط یا تو فنا ہو گئے یا بت پرست قوموں میں جذب ہو کر ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل سے الگ ہو گئے

یہود کی تباہی اور کتب یہودہ بارہ میں سے دس کی تباہی کے بعد یہود کا لفظ صرف دوا سباط یعنی یہود اور بنیامین کے لیے بولا جانے لگا اور ان کی سلطنت جوڈ یا کہلائی جسے ۵۸۶ ق م میں بابل کے نجات نصر نے برباد کر دیا اور بیت المقدس کو جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے الراج تورات محفوظ کی تھیں جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ دونوں قبیلوں کا تعلق عام کیا اور جس قدر زندہ بچ سکے انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر بابل لے گیا۔ یہ جلا وطنی ۵۰ سال تک رہی۔ اس دور میں یہود کے پاس کوئی اصلی یا نقلی توراۃ موجود نہ تھی۔

پچاس سال بعد جب سائرس شاہ ایران نے بابل کو فتح کر کے یہود کو آزاد کر دیا اور انھیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی تو ۵۲۰ ق م میں ہیکل سلیمان فی دوبارہ عذرا کی کوششوں



سے تعمیر ہوا۔ اسی شخص نے کتب خمسہ موسوی یعنی سلسلہ اول کی کتابوں کو دوبارہ مرتب کیا اور عزرا وہی ہے جسے قرآن نے عزیر کے نام سے یاد کیا ہے) عزرا کے فوراً بعد نحمیاہ نے سلسلہ دوم نبیم کا اضافہ کیا۔ لیکن دو سال بعد سکندر یونانی کی صورت میں یونانی فتوحات کا سیلاب آیا تو یہود پر پھر بلا نازی ہوئی۔ ان کی کتب اور مقدس مقامات برباد ہو گئے۔ بعد ازاں یونانی اقتدار کے تحت ان کی ٹیم خود مختار سلطنت قائم ہو گئی لیکن ان کی شرارتوں سے تنگ آکر انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹونیس نے یہود کی جداگانہ قومیت اور مذہب کو مٹانے کی غرض سے بیت المقدس میں ہیکل سیماںی کو تباہ کر کے اس کی جگہ یونانی دیوتا رئیس کا مندر بنوا دیا۔ مقدس صحیفوں کو جلا دیا، تورات کی تلاوت علناً بند کر دی۔ اور شعاثر یہود کی پابندی کی ممانعت کر دی۔ پھر یہود امکا بنی کی مہمت سے یہود کے دن پھرے۔ بیت المقدس کو پاک کیا گیا۔ مقدس صحیفے دوبارہ مرتب ہوئے۔ اور ان میں سلسلہ سوم یعنی کتبیم کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن جلد ہی رومی تلوار چمکی اور سلسلہ میں ٹائٹس رومی بیت المقدس فتح کر کے ہیکل سیماںی کو مسمار کر دیا۔ یہاں سے یہود کو جلا وطن کر دیا۔ یروشلم کے ارد گرد غیر یہودی آبادیاں قائم کیں اور مقدس صحیفوں کو فتح کی یادگار کے طور پر ساتھ لے گیا۔ اس طرح یہودی ایک مرتبہ تورات اور صحف انبیاء سے پھر محروم ہو گئے۔ رومی قیصر ہادریان کے دور میں یہود نے غلامی سے نجات پانے کی کوشش کی اور ایک خونخاک جنگ ہوئی جس میں پانچ لاکھ کے قریب یہودی قتل ہوئے۔ اس جنگ کے نتیجہ میں رومیوں نے یہود کو یر دشلم کے کھنڈروں میں آنے کی بھی ممانعت کر دی۔ ان پے در پے تباہیوں کے باعث یہود اپنے مقدس صحیفوں کی حفاظت نہ کر سکے۔

تورات اور یہود کے دیگر دینی ادب میں تحریف و تبدیلی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ یہود میں ان کتب کے حفظ کا رواج نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو لکھے ہوئے نسخے ضائع ہو جانے پر حفاظ کی مدد سے انہیں دوبارہ بعینہ لکھ لیا جاسکتا تھا۔ نیز یہود میں تورات اور دیگر صحائف کے نسخے لکھ نہیں ہوتے تھے بلکہ صرف ہیکل سیماںی اور چند کنیسوں میں رکھے جانے کے لیے صرف گنتی کے نسخے ہوتے تھے اور جب تباہیوں میں یہ چند نسخے ضائع ہو جاتے تو توراۃ سے پوری دنیا سے اٹھ جاتیں اس کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت کی ایک ضمانت یہ بھی ہے کہ دنیا میں کروڑوں، اربوں نسخے ہائے قرآن کے علاوہ لاتعداد افراد کے سینوں میں بھی یہ محفوظ ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان دونوں چیزوں کو بیک وقت تھم کر کے قرآن کا وجود ختم نہیں کر سکتی۔

تحریف کا ایک اور سبب - تیسرا سبب یہودی شعوری اور لاشعوری تحریفات ہوئیں۔ لاشعوری یوں کہ تورات کا نسخہ ضائع ہونے کے بعد جب اسے دوبارہ کئی سال بعد مرتب کیا جاتا تو یہ روایت باطنی کے طریقی پر ہوتا تھا۔ پھر زبان بھی تورات کی سابقہ زبان کی بجائے کوئی دوسری ہوتی۔ کیونکہ اسے جسے میں یہودی کسی اور زبان کے ٹوٹے ہوئے پرانی زبان سے رابطہ منقطع کر چکے ہوتے تھے۔ اس وجہ سے یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ تورات میں اگر شعوری تحریفات کو تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی تورات موسوی بعینہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ اسی کے باعث ”دیباچہ علوم بائبل“ میں ریونڈ مارن کہتا ہے — ”عہد عتیق کی کتابیں دراصل عبرانی زبان میں ہیں اور دونوں سے لپکاری جاتی ہیں (۱) آٹوگرافس یعنی وہ نسخے جن کو صاحب البہم نے خود لکھا ہے۔ یہ سب نسخے ناپید ہو چکے ہیں (۲) ایہوگرافس - یعنی وہ نسخے جو اصل نسخوں سے مکرر درمکرر نقل ہوتے آئے ہیں۔ یہ بھی دو قسموں پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ جو یہودیوں میں بہت معتبر اور مستند مانے جاتے ہیں۔ یہ بھی مدت سے معدوم ہو چکے ہیں اور دوسرے وہ جو کتب خانوں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ گویا تمام مستند نسخے اور ان کی مستند نقلیں مغربی محققین کے نزدیک معدوم ہو چکی ہیں۔ یہی مصنف مزید کہتا ہے — ”عہد عتیق کی کتابیں اگرچہ دوسری صدی عیسوی میں مرتب ہو گئی تھیں لیکن اس وقت تک کسی خاص نثر پر اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس وجہ سے نقلوں میں سخت اختلاف ہوتا تھا۔ اور یہ اختلاف نقلوں کی کثرت کے ساتھ بڑھتا جاتا تھا“۔ قارئین اس طرح آپ موجودہ تورات اور دیگر صحف انبیا کی حقیقت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

تحریف کا سبب رسم الخط - عبرانی زبان اور اس کا رسم الخط تورات وغیرہ میں تبدیلیوں اور تحریفات کا ایک اور سبب ثابت ہوئے ہیں۔ قدیم عبرانی زبان میں حروف علت بالکل نہ تھے صرف ۲۲ صحیح حروف مشتمل تھے۔ ان میں سے بھی بعض حروف باہم اس قدر مشابہ ہیں کہ ذرا سی بے احتیاطی سے عبارت کچھ سے کچھ ہو جاتی۔ مزید یہ تھا کہ عبرانی رسم الخط میں عبارت لکھتے ہوئے حروف الگ الگ لکھے جاتے تھے اور لفظوں کے درمیان کوئی علامت خاصہ درج نہ ہوتی تھی۔ نہ ہی لفظ ختم ہونے پر جگہ چھوڑ کر نیا لفظ شروع کیا جاتا۔ اس لیے حروف کے غلط جوڑ ملاسنے سے الفاظ کچھ کے کچھ ہو جاتے۔ مثلاً اگر یہ فقرہ لکھنا ہو: ”خدا قادر و عادل ہے“۔ تو قدیم عبرانی میں اسے یوں لکھتے۔ خ د ق د ر ع د ل - اب اسے کون کیسے پڑھے اور کیا پڑھے۔ اسے سینکڑوں فقرہ کی صورت میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ یہود کے علماء اسی طرح تورات کی عبارت سے اپنے مطلب

کے فقرے بنا کر اپنی خواہشات کے مطابق اسے ڈھال لیا کرتے تھے۔

علاؤ تحریف کی وجہ۔ تورات اور دیگر کتب یہودی تحریف کا ایک باعث یہودی شعور کی کششیں ہیں جہاں انھیں اپنے مروجہ عقائد یا خواہشات کے خلاف بات نظر آتی اسے بدل دیا جاتا۔ ہٹری آف انگلش بائبل کا مصنف ۱۸ مقامات پر متن بائبل میں تحریف کا اعتراف کرتا ہے جو اب تصحیحات بائبل کے نام سے مشہور ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق دوسری صدی عیسوی میں چونکہ کتب یہود باقاعدہ مرتب ہوئیں اور ان پر پھر کوئی بڑی تباہی بھی نازل نہیں ہوئی اس لیے اس دور کے بعد بہت کم تحریفات ہوئیں۔ لیکن اس سے پہلے بہت کچھ ہو چکا تھا کیونکہ مؤلفین کتب متن کتاب کو اس طرح پیش کرتے کہ وہ حالات کے مطابق دینی ہدایت کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ اس لیے وہ حربِ منتشا خوب تحریفات کرتے۔

تحریف اور زبان کے تغیرات۔ یہودی عام بول چال کی زبان میں بار بار کی تبدیلی بھی ان کی مقدس کتب میں تحریفات و ترمیمات کا باعث بنی۔ ایک باکتاب کی تباہی کے بعد جب اسے دوبارہ مرتب کیا جاتا تو ہر بار اس کی زبان بدل جاتی۔ پہلے کتب مقدسہ کی زبان عبرانی تھی۔ عزرائیل شاید آرامی زبان میں تورات کو از سر نو مرتب کیا۔ کیونکہ نینوا میں اسیری کے دوران یہودی اپنی سابقہ زبان بھلا کر آرامی کو اپنا چکے تھے۔ پھر یونانیوں کے دور میں یہود نے یونانی زبان اپنا لی اور تورات کو یونانی زبان میں از سر نو مرتب کیا گیا۔ یونانی نسخے سے ایک بار پھر توراۃ کو واپس عبرانی میں منتقل کیا گیا۔ جب رومی حکومت کا دور آیا اور یہودی رومی زبان اپنانے پر مجبور ہوئے تو کتب مقدسہ کو رومی قالب میں ڈھال لیا گیا۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ نئی زبان میں ترجمہ کرتے وقت نہ تو سابقہ زبان کی عبارت ساتھ لکھی جاتی نہ ہی اسے دیکھ کر ترجمہ کیا جاتا۔ کیونکہ نسخہ سابق عموماً دنیا سے اٹھ چکا ہوتا اور یہ سب کچھ روایت بالمعنی کے طور پر ہوتا رہا۔ اس صورت میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حقیقت کتنی خرافات میں کھو چکی ہوگی۔

دوسم کی وحی۔ روایت بالمعنی کے علاوہ کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیلی کا ایک باعث یہود کا عقیدہ وحی کسافی بھی بنا ہے۔ عقیدہ یہ تھا کہ موسیٰ پر دوسم کی وحی نازل ہوئی تھی۔ وحی مکتوبی جو تورات کی صورت میں موجود ہے اور وحی لسانی جو اولادِ بارون میں سینہ بسینہ چلی آرہی ہے۔ اس عقیدے نے سینکڑوں کتابوں کو الہامی بنا دیا۔ کیونکہ جاہ پسند کوئی کتاب لکھ کر کہہ دیتے کہ یہ وحی لسانی پر مبنی ہے جو مجھے سینہ بسینہ پہنچی ہے۔ اس طرح کتب مقدسہ کی بھرمار ہو گئی تو یہود کو

خیال آیا کہ متند اور غیر متند کو الگ کر لیا جائے۔ ۹۰ء میں سائمن نے ۴۴ کتب کو سند قبول عطا کی اور باقی کو جعلی قرار دیا۔ اس کے بالمقابل صدوقی صرف ۵ کو متند مانتے ہیں اور باقی تمام کو غیر متند۔

ان سب اسباب نے مل کر دوحی خداوندی کو ڈھانپ لیا اور حقیقت خرافات میں کھو گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں جب مسوراتیان (ردافہود) نے اس وقت کے موجود بابلی اور فلسطینی نسخہ تورات میں اختلاف کو گناہ کی تعداد ۳۱۳ تک پہنچ گئی۔ یہ اختلافات اب تک عبرانی تورات میں نقل کیے جاتے ہیں جن سے صاف نظر آتا ہے کہ موجودہ تورات اور صحف انبیاء کہاں تک قابل وثوق و استناد ہیں۔

تحریر سے بچنے کے لیے ایک تدبیر۔ ان مسوراتیان نے ایک اور اہم کام یہ بھی کیا کہ قرآن کریم کی صحت کتابت و قرأت سے متاثر ہو کر عبرانی رسم الخط کے نقص دور کیے اور تحریر شدہ کتب مقدسہ کو مزید تحریر سے بچانے کی خاطر متن توراہ کی صحیح قرأت و کتابت کی بنیاد مستحکم کر دی۔ لیکن پھر بھی یہ حال ہے کہ ۳۸۸ء میں پہلی دفعہ عہد نامہ عقیق کی کتب کو پریس میں شائع کرنے کے بعد ۵۸۸ء میں جب دوسری دفعہ طباعت کا اہتمام کیا گیا تو طبع اول سے بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا۔ ایسی کتابوں کی صحت اور درجہ استناد کا اندازہ کرنا اب آپ کے لیے مشکل نہیں رہا ہو گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کتابوں کی ضرورت کا زمانہ ختم ہو گیا اس لیے ان کا صحیح متن اٹھایا گیا۔ اب خرافات باقی ہیں جن میں حضرت داؤد کو زانی، حضرت سلیمان کو ظالم اور بت پرست، ہارون کو گوسالہ پرست اور لوط کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے (معاذ اللہ) اس کے برعکس قرآن کریم چونکہ ابدی ہدایت کی کتاب ہے اس لیے اس کا متن آج بھی روز اول کی طرح بلا اختلاف محفوظ و مامون ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں پر سب سے کٹھن وقت سقوط بغداد کا وقت ہے جب وحشی تاتاریوں نے مسلمانوں کی گودوں کتابوں کو جلا کر ان کی راکھ دریاؤں میں بہا دی تھی لیکن دنیا کا کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس حادثہ فاجعہ میں قرآن کا ایک لفظ بھی ضائع ہوا ہو۔

1- REBECCA WEPT AT THE WAILING WALL.

2- LEGACY OF ISRAEL

3- HISTORY OF PALESTINE BY ANGELO S. RAPPOPORT.

4- تاریخ لبنان از غلیب حتی

- 5- A HISTORY OF THE JEWISH PEOPLE BY JAMES PARKS.
- 6- HISTORY OF ISRAEL BY MORTIN NOTH.
- 7- HISTORY OF WORLD RELIGIONS BY KATHARINA SAYAGE.
- 8- GREAT BATTLES OF BIBLICAL HISTORY.
- 9- A HISTORY OF JEWISH CRIMES BY SHAKIL AHMAD ZIA.
- 10-
- 11- ENCYCLOPAEDIA BRITANICA 1969 VOLUME 15-3
- 12- HISTORY OF HISTORICAL WRITINGS.
- 13- A SURVEY OF HUMAN HISTORY.
- 14- LIBERATION - NOT - NEGOTIATION BY AHMAD SHUKAIRY.
- 15- OUR JEWISH HERITAGE BY JOSEPH GEAR AND RABBI ALFRED WOLF.
- 16- THE IDEA OF JEWISH STATE BY BEN HELPEVN.
- 17- BIBLE.

نوٹ: جلد ۱۸، عدد ۱، ۱۹۸۵ء میں موصوف کے شائع شدہ آرٹیکل بعنوان کنعان کنعانیوں کا ہے، اے کے ماخذ بھی مذکور بالا ہی ہیں۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

## علم کے موتی

- ۱- کلام شاہ اسماعیل شہید تب محمد خاں سیف ۲۵/۴
- ۲- قول فیصل ابوالکلام آزاد ۵۰/۶
- ۳- انسانیت موت کے دروازہ پر ابوالکلام آزاد ۹/۹
- ۴- بلوغ المرام و عربی ابن حجر عسقلانی ۳۵/۳۵
- ۵- مسکن عورت ابوالکلام آزاد ۱۲/۱۲
- ۶- نماز تراویح علامہ ناصر الدین البانی ۵۰/۶
- ۷- کالائاتی محمد حنیف تھانیسی ۵۰/۸
- ۸- قید فرنگ مولانا حسرت موہانی ۵۰/۷
- ۹- سرمایہ افکار پروفیسر سعید اختر ۸/۸
- ۱۰- جنت دیباہ شہزادیاں
- ۱۱- تذکرہ ابوالکلام آزاد زیر طبع
- ۱۲- محبوب عبدالوہاب مسعود عالم ندوی ۱۰/۱۰
- ۱۳- تربیت نسوان محمد خالد سیف ۵/۵

ملنے کا پتہ:- الاخوان - چنیوٹ بازار فیصل آباد



# اجل ہے گھات میں تیری تو موجو غفلت ہے

موت کبھی بستر علالت پر اور کبھی اچانک اس طرح آ جاتی ہے کہ توبہ کی بھی مہلت نہیں ملتی۔  
 عاجز کہیں آجائے نہ وہ وقت اچانک جس وقت کہ توبہ کی بھی مہلت نہیں رہتی۔  
 انسان اپنی لمبی عمر کی امید میں توبہ کو مؤخر کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ابھی جوان ہوں۔  
 بہت وقت ہے۔ بڑھاپے میں توبہ کروں گا اور آخر میں صالح اعمال بجا لاؤں گا۔ لیکن!  
 کہیں دستِ ندامت اٹھتے اٹھتے در توبہ مقفل ہو نہ جائے۔  
 گناہوں کی ہوائے شند ہی میں چراغِ زیست عاجز بجھ نہ جائے۔  
 بڑھاپے تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ اکثر بچپن اور جوانی ہی میں مرجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں طویل العمر اشخاص بہت کم نظر آتے ہیں بچے اور جوان زیادہ جوانی میں موت سے غفلت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دشمن کے محاصرے کے وقت عیش و عشرت میں مبتلا ہو۔ بڑھاپے میں موت سے غفلت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دشمن کے حملے کے وقت گہری نیند سو رہا ہو۔  
 عقلمندی کا یہ تقاضا ہے کہ انسان ایامِ زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھے۔ موت کے بعد سفرِ آخرت میں پیش آنے والے مراحل کے لیے زادِ راہ فراہم کرنے میں تمام تر کوششیں بروئے کار لائے۔  
 اس عمر کے لمحات میں وہ کام کیے جا جو کام ترے آئیں گے عقبی کے سفر میں گوہر سے گراں تر ہیں تیری زندگی کے لمحات ہمارے کہیں وقتِ اجل ہو ترے ہمیت لب پر نہ کہیں وقتِ اجل ہو ترے ہمیت

وَيَوْمَ رَعِيَ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۚ يُولِي لَنِي لَيْتَنِي كُنْتُ لَمْ اتَّخَذْ فَلَا خَلَائِلَ ۚ (الفرقات ۲۷-۲۸)

اور اس (قیامت کے) دن ظالم (گنہگار) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا اور کہے گا ہائے افسوس! میں رسول کا راستہ اختیار کرتا تھا۔ اسے کاش میں فلاں آدمی کو دوست نہ بناتا۔

وہ وقت آئے گا رو رو کے جب پکارو گے

خدا اور اس کے نبی کی نہ بات مافی کیوں

ہمارے مرلے و محسن سید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَلْكَيْسُ مِنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ  
هَوَاهَا وَتَمَشَّى عَلَى اَللّٰهِ الْاَمَانِيَّ (الترغیب)

”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو (ناجاہل خواہشات سے روکتا ہے اور موت کے بعد آنے والے وقت کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی (ناجاہل خواہشات کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور اللہ (کی رحمت) پر امید رکھتا ہے۔“

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اُعْتَبِرْمْ مَعَ مَا قَبْلَ خَيْرِ شَيْءٍ فَكُلْ هَرَمِدَةً وَصَحْتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَخِرَاعَكَ قَبْلَ مُتْعِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (الحاکم)

”پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور بھرت کو بیماری سے پہلے، امیری کو فقری سے پہلے اور فرصت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے شانے پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا :

كُنْ فِي السُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِدٌ رَسِيْمٌ لِوَعْدَ نَفْسِكَ فِي أَصْحَابِ الْقُبُورِ وَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ بِالنِّسَاءِ وَإِذَا امْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ وَحَدِّثْ مِنْ مِصْحَبِكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي يَا عَبْدَ اللَّهِ مَا اسْمُكَ غَدًا (بخاری و ترمذی)

دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تو اجنبی ہے۔ یا راہ چلتا ہوا (مسافر) اور اپنے آپ کو لڑنگی ہی میں، اہل قبور میں شامل کر لے اور آپؐ نے فرمایا ہے عبد اللہ! جب تو صبح کرے تو اپنے دل میں شام تک زندہ رہنے کی امید نہ ہو اور جب شام کرے تو صبح تک زندگی کی آس نہ رکھ۔ اپنی صحت میں اپنی بیماری کے لیے کچھ کر لے اور اپنی موت سے پہلے زندگی میں اس کی تیاری کر لے عبد اللہ! تجھے کچھ خبر نہیں کہ تیرا نام کیا ہوگا؟ (زندہ یا مردہ؟)

بعض دفعہ انسان اہل فتنہ کو یہ کہہ کر باہر جاتا ہے کہ میں چند گھنٹوں میں واپس آ رہا ہوں۔ لیکن راستے میں وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے چند گھنٹوں میں لڑنے کی بجائے چند لمحات کے بعد اس کی میت گھر آ جاتی ہے۔

وَمَا تَذَرُیْ نَفْسُکُمْ مَّاذَا تَكْسِبُ عَدَاوَمَاتُ رَحْمٰی نَفْسُکُمْ بِمَا تَعْمَلُ تَمُوْتُ۔ (قصص: ۴۲)

”کسی انسان کو خبر نہیں کہ اسے کیا کام درپیش آ جائے اور اس کی موت کس مقام پر واقع ہو جائے۔“

ماضی قریب میں خاندان غزنویہ کے چشم و چراغ معدوت اور ممتاز عالم دین سید ابوبکر غزنوی وطن سے دور لندن میں شہرک عبور کرتے ہوئے موٹر کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے اور اب ان کے حقیقی بھائی سید عمر فاروقؒ چند روز قبل حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔ فیصل آباد میں مولانا عبدالرشید قمر دفن دینائے فانی سے عالم بقا کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۔ مریض کھچکا اس کا جواب دوا نہ تھا۔ برائے موت مرض توقف بہانہ تھا۔ اچانک اموات کے واقعات روزانہ نامعلوم کس قدر و ترغ پذیر ہو رہے ہیں جنہیں ہمارا آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور کان سن رہے ہیں۔

۲۔ آتے رہتے ہیں پیش نظر دن رات جنازوں کے منظر

حیرت ہے یہ پھر کیوں اپنی اہل ہم دل سے بھٹے بیٹھے ہیں

ہر صبح سفر ہر شام سفر عایز آخر انجم سفر

کچھ چلے گئے کچھ جانے لگے دنیا میں جو آئے بیٹھے ہیں

میرے تین لڑکے عبید الرحمن، عطارد الرحمن، شہناز الرحمن مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ منجھلاڑ کا عطارد الرحمن بچہ ۲۸ سال جو کہ چار منٹے منٹے بچوں کا باپ ہے، بجلی سے چلنے والی کپڑے دھونے کی مشین میں پٹرول سے اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا کہ پٹرول آگ پکڑ لیتا ہے، جس سے اس کے ہاتھ پاؤں، سینہ، چہرہ بری طرح جھلس جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ۲۲ جون ۱۹۷۷ء کو ہوا۔ وہ ہسپتال میں گیارہ روز موت و زلیست کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ۳ جولائی کو اپنے خالقِ کیتا سے جا ملتا ہے۔

یہ کہتے جا رہے ہیں جانے والے

کہ دنیا سے نہ کوئی دل لگائے

حرم شریف میں نماز مغرب کے بعد ڈوھائی تین لاکھ فرزدان توحید نے نماز جنازہ ادا کی اور جنت المعلیٰ میں بہ جن اتفاق ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرقداقدس کے قریب جگہ پائی۔ ہمیں ٹیلی فون پر یہ لوح فرسا اطلاع ملی۔ اگرچہ یہ خبر بڑی ہی کرناک تھی مگر اپنے کریم آقا کی ہدایت کے مطابق اِستَعِيْنُوْا بِالْعَصْرِ وَالْعَلَوِ وَالسَّوْمِ کے مواقع پر صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔ اسی وقت اس عاجز نے صبر کا ٹھونٹ پی کر دو رکعت نماز ادا کیا۔ اس کی توفیق بھی میرے مہربان مالک ہی نے مجھے عطا فرمائی۔ ورنہ ایسے مواقع پر انسان کہاں صبر کرتا ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوصاف بیان کرتا ہوا فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ ۲۱۵)

”ان لوگوں کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ نہیں کہتے ہیں۔ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔“

لہذا ہم بھی اس حادثہ جاں گداز کے موقع پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ قارئین کرام کی خدمت اقدس میں عاجزانہ استدعا ہے کہ وہ متوفی کا غائبانہ نماز جنازہ ادا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اس حدیث کے مطابق کُفّی بِالْمَوْتِ وَاِعْظَارِ التَّرْتِیْبِ موت کافی و غلط ہے اللہ تعالیٰ اس اچانک جواں سال موت کو ہمارے لیے درس عبرت اور بیماری اصلاح اعمال اور آخرت کے لیے تیاری کا ذریعہ بنائے اور مرنے والے کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

## شرح الستہ للامام البغوی

تفسیر الخازن مع البغوی، الخازن من التفسیر، جامع البیان، احکام القرآن للمجاص، البرہان فی علوم القرآن للزکری، منہل العرفان فی علوم القرآن، سیرۃ حلبیہ، الامامۃ والیاست لابن قتیبہ، مروج الذهب، تیسرے الاصول الی علم الاصول، المستوی من احادیث الموطا، تنبیہ دلائل النبوة، المختصر الکبریٰ والحدادی للسیوطی۔ تصانیف ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ۔

تجانیہ دارالکتب۔ امین پور بازار۔ فیصل آباد

## حضرت ام مبعذ خزاعیہ

(۱)

جس زمانے میں آفتاب اسلام فاران کی چوٹیوں سے طالع ہو رہا تھا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے والے راستے پر تدبیر نام کی ایک چھوٹی سی بستی صحرا کے متصل واقع تھی۔ اس میں ایک مختصر سا غریب خاندان اپنی زندگی کے دن بڑے عجیب انداز میں گزار رہا تھا۔ اس گھرانے کی ساری متاع بے دے کے ایک نیچے، بکریوں کے ایک ریوڑ، گنتی کے چند برتنوں اور مشکیزوں پر مشتمل تھی، خاندان کا سربراہ ایک بنفکاش بدوی تمیم بن عبد العزیٰ خزاعی تھا۔ اس کا پیشہ وقت بکریاں چرانے میں گزارنا تھا۔ تمیم کی اہلیہ اس کی بنت غم عاتکہ بنت خالد بن خلیف بن متضہ بن ربیعہ بن احرم بن حبیس بن حرام بن جثیفہ بن سلول بن کعب بن عوف تھی۔ وازن کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا۔ عاتکہ ایک پاکدامن، باوقار اور بلند حوصلہ خاتون تھی اور اپنی کنیت "ام مبعذ" سے مشہور تھی۔ وہ عربوں کی روایتی مہمان نوازی سے خاص طور پر متصف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایثار اور خدمتِ خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اخلاص اور تنگ دستی کے باوجود وہ قدید سے گزرتے والے مسافروں کی نہایت خوشدلی سے میزبانی کیا کرتی تھی اور ان کی خدمت اور تواضع میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتی تھی۔ پانی، دودھ، کھجوریں، گوشت جو کچھ میسر ہوتا مہانوں کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی۔ جب کوئی مسافر اس کے نیچے میں سستا کر آگے روانہ ہوتا تو اس کی زبان پر ام مبعذ کے لیے تعریف و تحسین اور دعائیں ہی دعائیں ہوتی تھیں اس طرح ام مبعذ کا نام مسافروں کی بے لوث خبر گیری اور خدمت و تواضع کی بدولت دور دور تک مشہور ہو گیا تھا اور لوگ اس کی عالی حوصلگی اور شرافت کی تعریفیں کرتے نہیں ٹھکتے تھے۔

بغیث نبوی کے تیرھویں سال تک ام مبعذ کو خالقِ خدا کی خدمت کرتے سا لہا سال گزر چکے تھے اور وہ جوانی کی منزلوں سے گزر کر نچھتے عمر کو پہنچ چکی تھی اس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے صحرا نشینوں میں صاحبِ قریش کے لقب سے مشہور تھے۔ تمیم اور ام مبعذ کے کانوں



میں بھی صاحب قریش اور آپ کی دعوت کی بھنک پڑ چکی تھی تاہم وہ زندگی کی ڈگر پر اپنے معمول کے مطابق چلتے رہے۔ ان غریب اور سادہ مزاج بدویوں کے لیے یہ بڑا کٹھن کام تھا کہ ایسی باتوں کی تحقیق کے لیے دور دراز کی خاک چھانتے پھریں۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن ان کی صحرائی قیام گاہ ان صاحب قریش کی طلعت اقدس سے جگمگا اٹھے گی اور کائنات ارضی و سماوی کا ذرہ ذرہ اس کے مکینوں کی خوش بختی پر رشک کرے گا۔

(۲)

ربیع الاول ۱۳۱ھ بعثت میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مکہ کو اوداع کہا۔ اور تین راتیں غار ثور میں گزار کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عائشہؓ ہمیرہ آپ کے ہم رکاب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹنی پر سوار تھے اور وہ دونوں دوسری اونٹنی پر۔ اس مقدس قافلے کے آگے آگے عبداللہ بن ارقط لیشی پیدل چل رہا تھا، وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود ایک قابل اعتماد شخص تھا اور مکہ سے مدینہ جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے راستہ بتانے کے لیے اجرت پر اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک ساندنی پر سردار عالم اور حضرت صدیق اکبرؓ سوار تھے اور دوسری پر حضرت عائشہؓ ہمیرہ اور عبداللہ بن ارقط۔ یہ مختصر سا قافلہ قدید کے مقام پر پہنچا، تو حضرت اسامہ (ذات النطاقین) بنت صدیق اکبرؓ نے غار سے روانگی کے وقت جو کھانا ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ام مہاجر کی شہرت سن رکھی تھی اور انہیں یقین تھا کہ اس کی قیام گاہ پر کھانے پینے کا کچھ انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مقدس قافلہ ام مہاجر کے نیچے پر جا کر رکا۔ وہ اس وقت اپنے خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دنوں خشک سالی نے سارے علاقے پر قیامت ڈھا رکھی تھی اور اس وجہ سے ام مہاجر کے گھرانے پر پیغمبری وقت آن پڑا تھا۔ بڑی تنگی ترشی سے گزر رہی ہو رہی تھی۔ حضور سید مہجورات صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مہاجر سے فرمایا۔ دودھ، گوشت، کھجوریں، کھانے کا کوئی چیز بھی تمہارے پاس ہو تو ہمیں دو، ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔

ام مہاجر نے بعد حسرت جواب دیا۔ ”خدا کی قسم اس وقت کوئی چیز ہمارے گھر میں بچ کو پیش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو فوراً حاضر کر دیتی۔“

اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر ایک مریلی بکری پر پڑی جو خیمے میں ایک طرف کھڑی تھی۔

آپؐ نے فرمایا، مبعود کی ماں اگر اجازت دو تو اس بکری کا دودھ دودھ میں۔  
ام مبعود نے عرض کیا، صدقے جاؤں اگر یہ دودھ دینے والی ہوتی تو میں نے اب تک خود ہی اسے آپؐ لوگوں کی خدمت میں پیش رد ماہونا۔ دودھ دینا تو بڑی بات ہے یہ بیپاری تو اپنی لاغری اور کمزوری کی وجہ سے چرنے کے لیے جنگل میں بھی نہیں جاسکتی۔  
سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسی بھی ہو تم اجازت دو تو ہم اس کا دودھ دودھ لیں۔

ام مبعود نے کہا: آپؐ بڑے شوق سے دودھ دودھ لیں مگر مجھے امید نہیں کہ یہ دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔

اب وہ بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی۔ آپؐ نے پہلے اس کے پاؤں باندھے اور پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر دعا کی۔ ”الہی اس عورت کی بکریوں میں برکت دے۔“  
اس کے بعد چشم فلک نے ایک تجتیز نظر دیکھا۔ سید المرسلین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر بکری کے گھنول کو چھوا۔ تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہو گئی، حضورؐ نے ایک بڑا برتن منگا کر دودھ دوہنا شروع کر دیا، یہ برتن جلد ہی لبالب بھر گیا۔ آپؐ نے پہلے یہ دودھ ام مبعود کو پلایا، اس نے خوب سیر ہو کر پیا پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا جب وہ بھی سیر ہو گئے تو آخر میں آپؐ نے خود پیا اور فرمایا۔ ساقی القدر اجزؤہم (لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دودھ دوہنا شروع کیا یہاں تک کہ برتن پھر لبالب بھر گیا یہ دودھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مبعود کے لیے چھوڑ دیا اور آگے روانہ ہوئے۔  
ام مبعود کا بیان ہے کہ جس بکری کا دودھ سرد کر کر نبین صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہا تھا وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم صبح و شام اس کا دودھ دہتے تھے اور اپنی ضرورتیں سبھی پوری کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد کی ایک روایت یہ ہے کہ اس موقع پر ام مبعود نے ایک بکری ذبح کر کے سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور ناشتہ بھی ساتھ کر دیا



کہ ان کے کانوں میں صاحب قریشؐ کی بھنگ پہلے ہی سے پڑ چکی تھی۔ چنانچہ جب پہلے پہل ان کی نظر سرور کو بین صلی اللہ علیہ وسلم کے درخ اور پر پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی صاحب قریشؐ ہیں جو توحید کے داعی اور نیکی و ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ بکری کا واقعہ دیکھا تو انھیں قطعی یقین ہو گیا کہ یہاں عزیز اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ وہ اسی وقت صدقِ دل سے مسلمان ہو گئیں اور حضورؐ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضورؐ کے مدینہ منورہ تشریف کے جانے کے بعد ابو مبعوث اور ام مبعوث دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادتِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت ام مبعوثؓ کی زندگی کے مزید حالات تاریخوں میں نہیں ملتے تاہم ان کی زندگی کے ایک ہی واقعہ نے، جو اوپر بیان ہوا ہے، انھیں شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں اتنا بلند مقام عطا کر دیا کہ ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد ابداً باذکر اس پر رشک کرتے رہیں گے کسی شاعر نے اس واقعہ کے متعلق کیا خوب اشعار کہے ہیں:-

جنی اللہ رب الناس خیر جزائہ رفیقین قالا حیمتی ام مبعوث

ہما نزل بالبر فاعتد یا بہ فقد فاز من امی رفیق مبعوث

لیعن بنی کعب مقام فتاھم دمقعدھا للمسلمین بسر صد

(اللہ ان رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام مبعوث کے خیموں میں مقیم ہوئے۔ وہ کیسی

کٹھن ہے اور وہ تو اس کے نوکر ہیں تو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوا، کامیاب ہوا۔ بنی کعب کو ایسی لڑکیاں مبارک ہوں جن کا مکان مسلمانوں کی جائے پناہ ہے) نزل اللہ تعالیٰ

تصحیح - محدث جلد ۱، عدد ۱، ۱۱ میں طالب ہاشمی صاحب کے ایک آرٹیکل حضرت زبیر بن العوامؓ

میں ان کی بیوی حضرت اسماءؓ سے منسوب اشعار ترجمہ شائع ہوئے جو حقیقت میں ان کی بیوی حضرت عائشہؓ بن زید بن عمرو بن نفیل کے ہیں۔ اشعار اس طرح ہیں۔

غدرا بن جرموز یفادس بہمة لیوم اللقاء وکان غیر معرّج

یا عمرو، لو نبہتہ لوحدتہ لا طار عشی الجنان ولا یسد

سم غموتہ قد خاصھا لم یثبہ عنها طرادک یا ابن فقع انقر دم

من مضی، من یروح ویفتدی من مضی، من مضی، من مضی

خلت علیک عقوبۃ المتعمد دالہ اللہ ربک ان قتلک لمسلما

(رأس الغایہ لابن الاثیر)

# تعارف و تبصرہ کتب

تطہیر بائبیل (جلد اول)

اعجاز چوہدری

۱۵۲

درج نہیں

اسلامی مشن - سنت نگر - لاہور

نام کتاب

مؤلف

صفحات

قیمت

ملنے کا پتہ

مؤلف کتاب جناب اعجاز چوہدری صاحب نے زیر نظر تالیف میں یہ نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے کہ بائبیل سو فی صد الہام خداوندی پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں انسانی عقل کا عمل دخل موجود ہے۔ انھوں نے اپنے عقیدہ کی تائید میں تاریخ اور علم الآثار سے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں عہد نامہ عتیق کی کتاب ”پیدائش“ زیر بحث آئی ہے اور دوسرے حصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب چند مزید کتابوں پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔

”تطہیر بائبیل“ تبلیغی مقاصد کے لیے لکھی گئی ہے اس لیے زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ تاہم اس موضوع پر تحقیق و تنقید کے جدید معیار کے مطابق بھی کام ہونا چاہیے۔

(ابوشاہد)

(۲)

حضرت میٹج انجیل کے آئینے میں

جناب غلام نبی مسلم ایم اے

۵۶ صفحات

درج نہیں ہے، غالباً مفت تقسیم کے لیے ہے

اسلامی مشن - سنت نگر - لاہور

نام کتاب

مصنف

صفحات

قیمت

ناشر

اسلامی مشن سنت نگر لاہور سے تبلیغی مقاصد کے لیے نہایت مفید کتابیں شائع کر رہا



ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ فاضل مرتب نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ مروجہ انجیل کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور تعلیمات کا جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ کسی صورت میں ایک جلیل القدر نبی کے شایان شان نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ انجیل اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں رہی اور اس میں بہت کچھ رد و بدل ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر نبی اور روح اللہ تھے، ان کی سیرت بے داغ اور تعلیمات خالص اسلام پر مبنی تھیں۔ اس کے برعکس انجیل کے آئینے میں وہ کچھ اور ہی نظر آتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم اور انجیل ایک ہی نور کے پرتو ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن و حضرت عیسیٰ کی عظمت کی شاد دے اور انجیل ان پر چھینٹے اڑائے۔ چونکہ دو آسمانی صحیفوں میں تضاد ناممکن ہے اسی لیے موجودہ انجیل کی صحت مشکوک ہے۔ فاضل مرتب نے اس کتاب میں موجودہ انجیل کی ایسی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت اور شان کے منافی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر بلیغ سلیم رکھنے والے مسیحی بھائیوں پر حق واضح ہو جائے گا۔

(۳)

کتاب	قادیانی اُمت
مصنف	مولانا محمد شفیع جوش
مناہضت	۴۲ صفحات
کاغذ	سفید
قیمت	درج نہیں ہے
ناشر	علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار لاہور

رد قادیانیت کے سلسلے میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور بقاوت کبیر و یقینیت بہتر کا بہترین نمونہ ہے۔ فاضل مؤلف ایک دردمند عالم دین ہیں انھوں نے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ اتنا مواد جمع کر دیا ہے جو قادیانیت کے دجل و بلیس کا پردہ چاک کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ انھوں نے خود باقی قادیانیت کی تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب، نہ صرف تحریف قرآن اور انکار ختم نبوت کے فرکب ہوئے بلکہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کو کرام کی نہہین کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کتاب میں مرزا صاحب کی بعض کتابوں کے قدیم اور جدید ایڈیشنوں کی عبارتوں کے عکس بھی دے دیے گئے ہیں۔ ان سے

۱۔ کتاب ”برہان قاطع“ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ تاہم دیا نیول کے بارے میں بعض عدالتوں کے فیصلوں کی نقول بھی کتاب میں شامل ہیں جن سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ غرض اپنے موضوع پر یہ ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے اور ہر لحاظ سے لائق مطالعہ ہے۔

(ادارہ)

(۴)

کتاب کلمہ طیبہ کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ

۲۴ صفحات

منہاجت

عمرہ

کاغذ، کتابت، طباعت

درج نہیں ہے

قیمت

مجلس اُمتیہ اسلامیہ پاکستان - ماڈل ٹاؤن لاہور

ناشر

۵۔ ائمہ میں سنی اور شیعہ طلبہ کے لیے الگ الگ نصاب دینیات تجویز ہوئے تو حکومت کی طرف سے شائع ہونے والی ایک کتاب ”رہنمائے اساتذہ“ میں کلمہ طیبہ کی عبارت اس طرح درج کی گئی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ عَلَيَّ وَآلِهِ وَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ وَخَلِيفَتُهُ  
بِسْمِ اللَّهِ فَصِّلْ۔

ظاہر ہے کہ یہ عبارت شیعہ بھائیوں کا عقیدہ ظہر ہو سکتی ہے لیکن اسے کلمہ طیبہ قرار دینا کسی صورت میں روا نہیں تھا۔ چنانچہ پیر سید ابراہیم محمد اور مولانا محمد شفیع جوش صاحبان نے اس مقصد کے لیے لاہور ہائی کورٹ میں ریٹ دائر کر دی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اصلی اور حقیقی کلمہ اسلام قرار دیا جائے۔ عدالت عالیہ نے یہ ریٹ منظور کر لی اور مدعیان کے حق میں فیصلہ دے دیا اس کتابچے میں اسی مقدمہ کی نوٹداد اور عدالت عالیہ کے فیصلے کی نقل شائع کی گئی ہے۔ اہل علم حضرات کے لیے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مجلس اُمتیہ اسلامیہ پاکستان نے یہ کتابچہ شائع کر کے ایک مفید دینی خدمت انجام دی ہے۔ فوجواہ اللہ احسن الجزاء

(۵)

۵۔ اے زبیر ارب پارک

کتاب

مرزا مظفر بیگ صاحب

مرتبہ

۲۹۵ صفحات، بڑا سائز

صفحات

کاغذ، کتب، طباعت

نہایت عمدہ

قیمت

بیس روپے

ناشر

البدیر پبلی کیشنز - ۴۰ بی اردو بازار لاہور۔

باقی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے کسی مسئلہ میں اختلاف ترک کیا جاسکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ وہ عالم اسلام (بالخصوص پاکستان) کی ایک نہایت قد آور دینی و سیاسی شخصیت ہیں۔ ان کے لاکھوں مداحین میں سے بہت سے اصحاب مولانا سے بذاتی حد تک محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ مولانا کا ساہلہا سال تک معمول رہا کہ وہ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک عام ملاقات کے لیے اپنی اقامت گاہ ۵۰ بے ذیلدار پارک میں اندرون خانہ سے باہر تشریف رکھتے۔ اس وقت ہر شخص ان سے بلا روک ٹوک مل سکتا اور اپنی الجھنوں اور شکالات کو ان کے سامنے پیش کر سکتا۔ (افسوس کہ اب کچھ عرصہ سے مولانا کی علالت کی وجہ سے ان علمائے فہستوں کا سلسلہ بند ہو چکا ہے) یہ کتاب مولانا کی ایسی ہی بے شمار شہادتوں کی روئداد کا دلائل و مجموعہ ہے جسے مرزا مظفر بیگ صاحب مدیر مفت روزہ آئین لاہور نے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ پیرایہ بیان نہایت سلیس اور اثر انگیز ہے جس نے کتاب کو اس قدر دلچسپ بنا دیا ہے کہ ایک دفعہ شروع کر کے ختم کیے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس کتاب کو پڑھ کر مولانا کی بے پناہ ذہانت، فطانت، وسعت معلومات اور تبحر علمی کا لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ ان مجالس میں مولانا سے بڑے بڑے مسئلے سوال کرتے لیکن مولانا ایسے جامع اور جستہ جواب دیتے کہ سوال کرنے والے کے ساتھ دوسرے تمام حاضرین کو بھی انشراح قلب ہو جاتا۔

مرزا مظفر بیگ صاحب نے یہ کتاب مرتب کر کے ایک گراں قدر علمی خدمت انجام دی ہے۔ ادارہ البدیر پبلی کیشنز بھی مبارکباد اور تحنیں کا مستحق ہے جس نے اس کتاب کو ایسے خوبصورت انداز میں شائع کیا۔ کتاب کا دیباچہ ادیب شہیر جناب نعیم صدیقی صاحب نے لکھا ہے جو بجائے خود ایک دلکش ادبی مقالہ ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور دل میں دین کے کیے کام کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے۔ ہیں امید ہے کہ کوئی علمی، ادبی اور دینی لائبریری اس کتاب سے غالی نہیں رہے گی۔

(۶)

نام کتاب	اردو ادب کا
مصنف	احمد رائف مصری
ترجمہ	جناب فیصل
صفحات	۲۸۴ صفحات
کاغذ، کتابت، طبعیت	عمومہ
قیمت	دس روپے
ناشر	البدیع پبلی کیشنز۔ ۴۰ بی۔ اردو بازار لاہور

مصر کے سابق صدر جمال عبدالناصر کے دور میں الاخوان المسلمون پر جو لڑہ خیز مظالم چلائے گئے ان کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اخوان المسلمون کے اراکین کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ غلبۂ اسلام کے علمبردار تھے اور ہر شعبہ حیات میں اسلام ہی کو اپنا بھاد و بادلی سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک نسلی اور قومی تضاد اسلام کی روح کے منافی تھا اور سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ان کا جزو ایمان تھا کہ کسی عربی کو عجیبی پر اور کسی عجمی کو عربی پر دھنچھ اس کے عربی یا عجمی ہونے کی بنا پر فیصلیت حاصل نہیں ہے۔ دوسری طرف صدر ناصر عرب قومیت کا علمبردار تھا اور اس کا نعرہ فتاری یہ تھا نَحْنُ اَبْنَاءُ الْاَلَمِ اَحَدٌ ہم فرعونوں کی اولاد میں، صرف یہی نہیں بلکہ اس نے اور بھی کئی جاہلی نعرے ایجاد کر کے عربوں کی نظر سے یہ حقیقت اوجھل کر دی تھی کہ ان کا شرف و مجد صرف اسلام کی بدولت ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ "لَا تَحْزَنُوا غِيَابَ الْعَرَبِ" (ہم غیر عرب کو جانتے ہی نہیں) یا یہ کہ اللہ اکبر والعزۃ للعرب (اللہ بڑا ہے اور عرب صرف عربوں کے لیے ہے) اسلام کے ہمہ گیر پیغام اخوت سے کس قدر متضاد تھا۔ ظاہر ہے کہ اخوان المسلمون اور ناصر کے نظریات میں بنیادی اختلاف تھا۔ صدر ناصر کی آمریت اس اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ اس نے اپنے اوپر ایک قاتلانہ حملے کی آڑ لے کر اخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کے اراکین پر عقوبت اور تشدد کے وہ پہاڑ توڑے کہ چگنیز اور ہلاکو کی روصیں بھی شتر مار کر رہ گئیں۔ اخوان کی عورتیں، بچے، بوڑھے علماء، فضلاء کوئی بھی ناصر کے ظلم سے محفوظ نہ رہا۔ ناصر کے چھوڑے ہوئے انسان نابھیزہ اخلاق، شرافت اور انسانیت کی تمام حدود پھلانگ گئے۔ اس کتاب کا مصنف بھی اخوان المسلمون

کا کزن ہونے کے جرم میں سالہا سال تک نامری ظلم و بربریت کی چکی میں لپستا رہا۔ اس نے اپنے مصائب و آلام کی خونچکاں داستان بڑے سادہ اور میں انداز میں بیان کی ہے۔ اس کا ایک ایک صفحہ پڑھتے ہوئے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ بے پناہ غیر انسانی مظالم کے باوجود احمد رائف اور اس جیسے دوسرے مظلومین نے کسی حالت میں بھی حق و صدا اور سبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تو دل سے بے اختیار ان مردانِ حق کے لیے آفرین نکلتی ہے۔ صبر و رضا کے ان پیکرانِ جمیل کے اخلاص فی الدین نے شمع رسالت کے ان پروانوں کی یاد تازہ کر دی جو دعوتِ حق کی ابتدا میں مشرکین کے ہولناک جور و تعدی کا نشانہ بنے لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی جاہدِ حق سے ہٹنے کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

کتاب کا ترجمہ شستہ اور رواں دواں ہے فی الحقیقت اس پر ترجمے کا گمان نہیں ہوتا فاضل مترجم ایسے عمدہ ترجمہ کے لیے تحسین کے مستحق ہیں۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مالا مال یہ کتاب دس روپے میں بالکل ارزاں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ علمی اور ادبی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

(۷۱)

کتاب	لعل دگر
مصنف	رضیہ سلطانہ چین دہلوی
ضمی مت	۹۶ صفحات
کتابت، طباعت	عمدہ - سفید کاغذ
قیمت	ساتھ چار روپے
محلے کا پتہ	مکتبہ چراغ اسلام - اردو بازار لاہور

یہ کتاب بے شمار شاہیر عالم کے ایسے اقوالِ زیر کا مجموعہ ہے جو جاوید حیات میں انسان کی قدم قدم پر رہنمائی کرتے ہیں اور اس کو فوز و غلال کی منزل پر پہنچانے کے ضامن بنتے ہیں۔ محترمہ رضیہ سلطانہ چین دہلوی نے یہ اقوال بڑی محنت اور خوش ذوقی سے مرتب کیے ہیں۔ اندازِ بیان بڑا دلنشین اور جامع ہے۔ ان اقوال کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

گزری ہوئی عمر کو اپنے ضمیر کے آئینہ میں دیکھو۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ گمانِ مشرق کی طرف کھینچی جاتے اور تیر گے مغرب کی طرف۔ لیست ہمت آدمی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ آدمی خود برا نہیں ہوتا اس کا فعل اس کو برا بنا دیتا ہے۔ نیکی کی خوشی ہر خوشی سے بالاتر ہے۔ دولت کو



ضائع نہ کرو کیونکہ زندگی وقت ہی سے بنتی ہے۔ جوانی کی عبادت اور پرہیزگاری جہاد اکبر ہے۔  
 زہد و عبادت کا پہلا مقصد دل کی پاکی ہے۔ احساس دعوت عمل ہے اور عمل خضرِ رام ہے۔ توبہ  
 قلب کی راحت ہے۔ سادہ زندگی اور پاکیزہ اخلاق عزت اور عمر بڑھانے کی دوا ہے وغیرہ۔  
 غرض ساری کتاب اسی قسم کے جواہرِ ریزہ دل سے بھری پڑی ہے۔ ان کو بغور پڑھ کر قوتِ عمل کو ہمیز لگتی  
 ہے اور قاری میں اپنے اخلاق اور کردار کو سدھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ کتاب اردو کے اخلاقی اور تعمیری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ محترمہ رضیہ سلطانہ چمن  
 دہلوی اس کتاب کی ترتیب و تالیف پر اور ناشر (گلستانِ پبلی کیشنز) اس کی اشاعت پر تبریک و  
 تحنن کے مستحق ہیں۔ اس کتاب کو خریدنا اور پڑھنا سراسر نفع مند ہے۔ ہمیں امید ہے کہ کوئی گھر اور کتب خانہ  
 اس کتاب سے غالی نہیں رہے گا۔

(۸)

ذراتِ درخشاں

مولانا اسعد گیلانی

۲۲۰ صفحات مجلد

عقدہ - کاغذ سفید

بارہ روپے

مکتبہ چراغ اردو بازار لاہور

کتاب

از

ضنی مت

طباعت

قیمت

ناشر

مکتبہ چراغ اسلام، اردو بازار لاہور نے کچھ عرصے سے تبلیغ و اصلاح اور تعمیرِ سیرت سے متعلق  
 موضوعات پر نہایت مفید کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک  
 کڑی ہے۔

کتاب کے مصنف جناب اسعد گیلانی علمی اور ادبی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں البتہ  
 فاضلِ انھیں سوز و دردوں کی نعمتِ عظیم سے بہرہ ور کیا ہے اور وہ ہر وقت کسی نہ کسی صورت میں دین و  
 اخلاق کا خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ مجموعہ ان کے متعدد مختصر مضامین پر مشتمل ہے۔ ان مضامین  
 کو بلا مبالغہ علم و ادب کے شہ پارے کہا جاسکتا ہے۔ دلچسپ اتنے کہ شروع سے اخیر تک ساری  
 کتاب پڑھ جائیں اور کہیں آٹا ہٹ موس نہ ہو۔ اثر انگیز اتنے کہ ایک ایک فقرہ دل میں اتر جائے  
 ملتِ پاک کو اس وقت ایسی ہی کتابوں کی ضرورت ہے۔ مکتبہ چراغ اسلام اس کتاب کو ایسی حسین و جمیل  
 صورت میں ضائع کرتے پر مبارکباد کا مستحق ہے۔ کتاب کے چند عنوانات ملاحظہ ہوں۔

پرسکون شور، بچوں کی تربیت، سعی مسلسل، خاموش کارکن، بچے کی پسندیدہ چیزیں۔ ان کو گہرا پناہ، مقام عبرت، گھر میں اعلیٰ ادب، مولوی اور مسلمان، غلطی اور مسجد، میرا جنازہ، پر عظم بیٹا۔ خدا کا کھاتہ۔ احمی اور خون۔ اپنی ہی نیکی وغیرہ۔

غرض اسی طرح کے عنوانات کے تحت جناب اسعد گیلانی نے تمام کتاب میں علم و ادب کے ہوا پر یکپارے ہیں جن کو چین کر سیرت و کردار کی تعبیر میں بے حد مدد مل سکتی ہے۔ کتاب کے آخر میں تین دلچسپ تفصیلات بھی شامل کر دی گئی ہیں جن سے اس کی خبریوں میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کتاب ہر لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے، اس کا مطالعہ نہ صرف التشریح کا باعث ہوگا بلکہ اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت میں بھی مدد و معاون ثابت ہوگا (طالب ناظمی)

(۹)

کتاب  
تالیف و ترتیب  
ناشر

عربی خط و کتابت کورس (جدید عربی ایڈیشن)  
مولانا عبدالرحمان طاہر سورتی، حافظ نذرا احمد  
عربی خط و کتابت سکول

نذر منزل، محمد نگر، علامہ اقبال روڈ۔ لاہور  
مبلغ ۳۴ روپے بیس فیس امتحان ۴۰ روپے

قیمت  
سائز و ضخامت

۲۰ × ۳۰  
۱۶  
۱۵۰ + ۳۵۰

جلد پیریلک

سفید کاغذ

مضمون : زیر تبصرہ کتاب دراصل "پیارے نبی کی پیاری زبان" کا دوسرا اضافہ شدہ مبسوط ایڈیشن ہے۔ اس مرتبہ مؤلفین نے بطور خاص ڈاکٹر ز، مکینک، انجینئر اور ملازمت پیش افراد کے لیے سوا صد صفحات کا خصوصی حصہ شامل کتاب کیا ہے۔ اس سے بیرون ملک جانے والے افراد ملت کو بہت سہولت ہو جائے گی۔

عربی کورس کا یہ جدید ایڈیشن عزیزین جج کے لیے بھی بے حد مفید ہوگا کہ وہ مکہ مدینہ والوں سے ان کی زبان میں گفتگو کر سکیں گے، دعاؤں اور عبادت میں لطف محسوس کریں گے۔ بنیادی طور پر اس عربی خط و کتابت کورس کا مقصد کا یہ ہے کہ گھر بیٹھے قرآن مجید کا ترجمہ سمجھتے اور آسان عربی میں گفتگو کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

کورس ۵۵ اسباق پر مشتمل ہے، ہر سبق میں ۸ یا ۱۰ لفظ ہیں، دو یا تین قاعدے اور اسی قدر متعین ہیں۔ آخر میں تمام مشقوں کے حل موجود ہیں۔ چند امتحانی پرچے کا میا بی سے حل کرنے پر انگریزی

عربی دوزبانوں میں سندھی جالی ہے۔ پانچ ماہ یا اس سے کم مدت میں کورس مکمل ہو جاتا ہے۔

# Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

- ✱ عناد اور تعصب قوم کے لیے زمرِ باطل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن تعصبات سے بالاتر وہ کہ
- ✱ اقامتِ تقسیمِ اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- ✱ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں نخل کا درجہ رکھتے ہیں۔
- ✱ لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- ✱ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے۔ لیکن
- ✱ دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا جہیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- ✱ تبلیغِ دین اور نشر و اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دنیویہ کے خلاف ہے۔
- ✱ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔
- ✱ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے۔ لیکن
- ✱ ع۔ جد ابودیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- ✱ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے۔ لیکن جاہلیت کو بٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور مقددانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

## مَحَلِّث

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

زیر سالانہ ۱۵ روپے